بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام بخاریؒ کے امتیازات
اور
بخاری شریف کی خصوصیات

حضرت مولانا ابوعمار
زاہد الراشدی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

عنوان	:	امام بخاریؒ کے امتیازات اور بخاری شریف کی خصوصیات
تالیف	:	مولانا ابوعمار زاہد الراشدی
مرتبین	:	مولانا حافظ کامران حیدر
	:	ناصر الدین خان عامر
مجموعہ	:	مئی ۲۰۲۴ء
ناشر	:	
اشاعت	:	

﴿فہرست﴾

☆ پیش لفظ............11

☆ امام بخاریؒ اور بخاری شریف — (۱۹۹۸ء)............12

- بخاری شریف کا آغاز واختتام............12
- امام بخاریؒ اور خلقِ قرآن کا مسئلہ............13
- امام بخاریؒ کے آخری ایام............14

☆ وحی کی ضرورت اور اس کی حقیقت وماہیت — (۱۹۹۹ء)............16

- وحی کی ضرورت کیا ہے؟............16
- وحی کی ماہیت کیا ہے؟............18
- وحی کا حدیث وسنت کے ساتھ کیا تعلق ہے؟............19

☆ انصاف، وحی اور عقل — (۱۹۹۹ء)............21

- معتزلہ کے عقائد اور مولانا محمد تقی عثمانی کا رد............21
- عقل پر وحی کی فوقیت............23
- آج کے عالمی فلسفہ کی بنیاد............24

☆ حضرت امام بخاریؒ کی مجتہدانہ شان — (۲۰۰۴ء)............25

- جامعہ خیر المدارس ملتان کا فیض............25
- تمام معاملات کی بنیاد آسمانی تعلیمات پر............26
- امام بخاریؒ صرف محدث نہیں............27
- روایات واحادیث کے ساتھ مسائل کا استنباط............27

☆ بخاری شریف کے چند امتیازات — (۲۰۰۴ء)......30
- علمِ حدیث کی سب سے مستند کتاب......30
- حضرت شاہ ولی اللہؒ اور بخاری شریف......31
  - o تمام فنون کی روایات......31
  - o روایت کی صحت کا کڑا معیار......31
  - o مسند اور مرفوع روایات......32
  - o تراجم ابواب......32
- بخاری شریف کے آغاز کی روایت......33
- حضرت امام مالکؒ اور ہشام بن عمارؒ کا واقعہ......34
- حضرت امام مالکؒ کی بیٹی کا علم......34
- میرے حدیث کے اساتذہ......35
- میرے حدیث کے شیوخ......36
- ''مسلسل بالاولیۃ'' کی روایت......36
- تمام معاملات کی بنیاد وحیٔ الٰہی پر......37
- عمل کا نتیجہ نیت کے مطابق......38

☆ وکالت اسلامی نقطۂ نظر سے — (۲۰۰۸ء)......39
- بخاری شریف میں وکالت سے متعلق روایات......39
- ''وکیلِ خصومت'' کا تصور اور مثالیں......40
- مروجہ نظامِ وکالت کا جواز اور تقاضے......41

☆ بخاری شریف اور اہلِ سنت کے علمی مسلّمات — (۲۰۰۸ء)......43
- اعمال کی حفاظت بھی ضروری ہے......43
- بخاری شریف آج کے عالمی تناظر میں......44
  - o آسمانی تعلیمات اور مغربی فلسفہ......44

o آسمانی تعلیمات اور شعبہ ہائے زندگی.......................................45
• بخاری شریف کا آغاز اور اختتام.......................................46
• بخاری شریف کا مجموعہ تناظر.......................................46
o توحید کا صرف اسلامی تصور.......................................46
o عقائد کا تعین قرآن و سنت اور آثارِ صحابہ کی بنیاد پر.......................................47
o اعتزالِ قدیم اور اعتزالِ جدید میں مماثلت.......................................47
o اہل السنۃ والجماعۃ کی بنیاد.......................................48
• سنتِ رسولؐ اور آثارِ صحابہؓ کی بنیاد پر قرآن کریم کی تشریح.......................................48
o حضرت یحییٰ بن یعمرؒ کی روایت.......................................49
o حضرت یزید الفقیرؒ کی روایت.......................................49
• وزنِ اعمال سے متعلق معتزلہ کے عقیدہ کا رَد.......................................50
• طلبہ کو ایک نصیحت.......................................51
☆ بخاری شریف کی خصوصیات — (۲۰۰۹ء).......................................53
• کتاب کی جامعیت.......................................53
• روایات کی صحت کا معیار.......................................54
• فقہ واستنباط کی کتاب.......................................54
• قرآن کریم کی تفسیر وتشریح.......................................54
• ایمانیات وعقائد کی تعبیر وتشریح.......................................55
• فکری گمراہی کا سدباب.......................................55
• کتاب کا طرزِ استنباط.......................................55
• میرے حدیث کے شیوخ اور روایات.......................................56
• وحی سے راہنمائی اور نیت وعمل کا جوڑ.......................................56

☆ علومِ حدیث: امام بخاریؒ، امام طحاویؒ اور شاہ ولی اللہؒ کا اسلوب — (۲۰۱۰ء)...............58
- حدیثِ نبویؐ: تمام علومِ دینیہ کا سرچشمہ...............58
- محدثین کا جداگانہ طرز...............59
  - o حضرت امام بخاریؒ کا طرز...............59
  - o حضرت امام طحاویؒ کا طرز...............60
  - o حضرت شاہ ولی اللہؒ کا طرز...............61

☆ اکابر علماء دیوبند کی علمی دیانت اور فقہی توسع — (۲۰۱۱ء)...............63
- فسخِ نکاح کے اختیار کا فتویٰ...............63
- حضرت امام بخاریؒ اور خلقِ قرآن کا مسئلہ...............65
- جمعہ کی اذانِ ثانی کا مسئلہ...............66
- مزارعت کا مسئلہ...............67

☆ ''فضائلِ اعمال'' پر اعتراضات کا علمی جائزہ — (۲۰۱۲ء)...............70
- محدثین کے ہاں ضعیف احادیث کی قبولیت...............70
- احادیث کے ضُعف کا اختلاف...............71
- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی جامع تحریر...............71
- ''فضائلِ اعمال'' کی افادیت...............72

☆ تمام علومِ دینیہ کا سرچشمہ حدیثِ نبویؐ ہے — (۲۰۱۲ء)...............74
- علومِ عالیہ اور علومِ آلیہ...............74
- دین کی ہر بات حدیث سے حاصل ہوتی ہے...............74
- بخاری شریف کی جامعیت...............76

☆ حدیثِ نبویؐ: فقہی مجادلہ اور عصری مسائل — (۲۰۱۴ء)...............77
- دلائلِ شرعیہ میں حدیثِ نبویؐ...............77
- فقہی مجادلہ اور امام ابو جعفر طحاویؒ...............78

- عصری مسائل کا حل حدیثِ نبویؐ سے..........79

☆ حدیث و سنت کی اہمیت اور امام بخاریؒ کا اسلوبِ استدلال — (۲۰۱۴ء)..........80

- مدارس کے جزیرے اور معاشرہ کا سمندر..........80
- حدیثِ نبویؐ اور آج کے سوالات..........81
- قرآن و حدیث پر ایمان کی ترتیب..........82
- قرآن فہمی میں حدیث کی اہمیت و ضرورت..........82
  - o حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وضاحت..........83
  - o حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ کی وضاحت..........84
- عقائد و ایمانیات اور حدیثِ نبویؐ..........84
  - o حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی وضاحت..........84
  - o حضرت جابر بن عبداللہؓ کی وضاحت..........85
- احکام و قوانین اور حدیثِ نبویؐ..........85
- امام بخاریؒ محدث بھی ہیں اور فقیہ بھی..........87
- امام بخاریؒ، اہلِ سنت کے بہترین نمائندہ..........88
- طلبہ و طالبات کو نصیحت..........89

☆ حفظِ حدیث کا قابلِ رشک ذوق — (۲۰۱۵ء)..........90

- ماضی میں حفظِ حدیث کی روایت..........90
- مولانا محمد طیب اور مولانا محمد عابد کا حفظِ بخاری شریف..........91
- حضرت امام بخاریؒ کے مزار پر..........92

☆ امام بخاریؒ کی علمی دیانت — (۲۰۱۵ء)..........93

- امام بخاری کی فقہ..........93
- بخاری شریف کی روایات کی تعداد..........93
- قرآن و حدیث اور فقہ کا باہمی تعلق..........94

- امام بخاریؒ کی علمی دیانت.....94

☆ بخاری شریف کو ایک نظامِ حیات کے طور پر بھی پڑھیں — (۲۰۱۵ء).....96

- بخاری شریف حضرت شاہ ولی اللہؒ کی نظر میں.....96
- بخاری شریف اور نظامِ حیات.....98

☆ "خبرِ واحد" اور اس کی حفاظت کا اہتمام — (۲۰۱۸ء).....100

- بے خبری کا جال.....100
- خبرِ واحد کیا ہوتی ہے؟.....101
- جمع و حفاظت کا اہتمام.....101
- بخاری شریف میں "اخبار الآحاد".....102

☆ بخاری شریف اور عصرِ حاضر کی سماجی ضروریات — (۲۰۲۰ء).....104

- حدیثِ نبویؐ، قرآن کریم پر ایمان کا ذریعہ.....104
- انسانی سماج کی ضرورت.....105
- نظامِ مملکت کی بنیادیں.....105
- متنوع علوم کا مجموعہ.....105
- اہلِ سنت کا دائرۂ استدلال.....105
- دینی و عصری نصاب کی یکسانیت کی مہم اور تاریخی پس منظر.....106

☆ بخاری شریف اور عصرِ حاضر — (۲۰۲۲ء).....108

- جامعہ انوار العلوم گوجرانوالہ کی صد سالہ تقریب کی تجویز.....108
- چند باتیں بخاری شریف کی.....109
  - o بخاری شریف کا اصل نام.....109
  - o انسانی سماج کی راہنما کتاب.....109
  - o درست عقائد کی تصدیق سے غلط عقائد کی تردید تک.....110
  - o امام بخاریؒ کا طرزِ استدلال.....110

o قیامت کے روز وزنِ اعمال اور آج کی سائنس 111
☆ قرآن وحدیث کا باہمی تعلق اور حضرت امام بخاریؒ — (۲۰۲۳ء)..................... 112
• حصولِ قرآن مجید بذریعہ حدیثِ رسولؐ.................................. 112
• تفسیرِ قرآن مجید اور حدیثِ رسولؐ.. 113
• احکامِ قرآن مجید کی تکمیل حدیثِ رسولؐ سے.............................. 115
• امام بخاریؒ اور وزنِ اعمال کا مسئلہ.. 115
☆ بخاری شریف صرف حدیث کی کتاب نہیں — (۲۰۲۴ء)........................ 118
• بخاری شریف پانچ علوم کا مجموعہ ہے.. 118
• بخاری شریف اور ایمانیات وعقائد.. 120
• بخاری شریف کا دائرۂ استدلال.. 121
o حضرت عمران بن حصینؓ کی وضاحت.................................. 121
• ایمان بالغیب کی تفہیم.. 122
o وزنِ اعمال کا عقیدہ... 122
o بلا تصدیق خبروں کی تشہیر... 123
o سفرِ معراج کے متعلق ایک مختصر مکالمہ..................................... 124
o "سبحان اللّٰہ وبحمدہ سبحان اللّٰہ العظیم"... 125
☆ عصرِ حاضر میں بخاری شریف کا پیغام — (۲۰۲۴ء)................................ 127
• علم کی حفاظت وقدر.. 127
• "قرآن خاموش ہے" کی منطق... 128
o حضرت عمران بن حصینؓ کی وضاحت.................................. 128
o حضرت عبداللّٰہ بن مسعودؓ کی وضاحت................................. 129
o حضرت امام شافعیؒ کی وضاحت... 130
• ترجمۃ الباب: امام بخاریؒ کا فقہی موقف.. 131

- بخاری شریف اور ایمانیات 131
- مغربی قوتوں کا عالمِ اسلام سے تقاضہ 132
- جناب نبی اکرمؐ سے کفارِ مکہ کا تقاضہ 132
- نئی نسل کی گمراہی اور ہماری ذمہ داری 133

☆ مختصر تذکارِ بخاری 135

- ”العرفاء للناس“ 135
- حضرت مولانا عبد العزیز سہالویؒ اور بخاری شریف 136
- دینی مدارس اور اسلام کے اجتماعی پہلو 138
- حضرت امام بخاریؒ کے مزار پر 138
- امام ابو حنیفہؒ اور امام بخاریؒ 140
- کتاب التعبیر 140
- کتاب الادب 141
- شیخ الناخبیؒ اور شیخ الفادانیؒ سے روایتِ حدیث کی اجازت 141
- امام بخاریؒ کا فقہی اُسلوب 143
- تحفظات اور ضروریات کے دائرے اور اہلِ علم 144
  - o حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابو الحسن اشعریؒ 144
  - o حضرت امام بخاریؒ 145
- تدریسی ذوق اور بخاری شریف 146
- امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ 148
- خاوند کے ذمے بیوی کا خرچ 149
- امام دارمیؒ اور امام بخاریؒ 149

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

والد گرامی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر قدس اللہ سرہ العزیز جس سال علالت اور ضعف میں اضافہ کے باعث جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں بخاری شریف کے نصاب کی تکمیل نہیں فرما سکے تھے تو ان کے حکم پر بخاری شریف کے اس نصاب کا باقی حصہ مجھے پڑھانے کی سعادت حاصل ہوئی تھی، اور شیخین کریمین حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر اور حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتی رحمہم اللہ تعالیٰ کی سرپرستی اور نگرانی میں ان کی حیات میں یہ خدمت سرانجام دیتا رہا، جبکہ اس کے بعد بھی ابھی تک اپنی تمام تر نالائقیوں کے باوجود ان بزرگوں کے فیض کے باعث کسی نہ کسی طرح یہ تسلسل جاری رکھے ہوئے ہوں، فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

اس دوران ملک کے مختلف مدارس میں بخاری شریف کے سبق کے آغاز اور اختتام کی تقریبات میں حاضری کی سعادت حاصل ہوتی رہی ہے، جن میں اپنے ذوق کے مطابق بخاری شریف کی خصوصیات اور حضرت امام بخاریؒ کے محدثانہ امتیازات پر کچھ نہ کچھ گزارشات کر دیتا ہوں اور ان میں بعض بیانات قلمبند ہو کر شائع بھی ہو چکے ہیں۔

فاضل عزیز مولانا حافظ کامران حیدر اور فرزند عزیز ناصر الدین خان عامر نے ان بیانات کا ایک انتخاب زیر نظر مجموعہ میں مرتب کیا ہے جو ان کے حسنِ ذوق و محنت کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبولیت سے نوازیں اور ہم سب کے لیے ذخیرۂ آخرت بنا دیں، آمین یا رب العالمین۔

ابو عمار زاہد الراشدی
صدر مدرس جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
۲۶ اپریل ۲۰۲۴ء

امام بخاریؒ اور بخاری شریف

(۱۲نومبر ۱۹۹۸ء کو جامعہ مدینۃ العلم بکر منڈی فیصل آباد میں بخاری شریف کے اختتام کی سالانہ تقریب ہوئی۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کے شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ مدظلہ نے آخری حدیث پڑھا کر دورۂ حدیث کے طلبہ کو بخاری شریف مکمل کرائی جبکہ مولانا محمد ضیاء القاسمی، مولانا محمد رفیق جامی، مولانا محمد الیاس، الحاج سید امین گیلانی اور دیگر حضرات کے علاوہ مدیر الشریعہ مولانا زاہد الراشدی نے بھی تقریب سے خطاب کیا۔ ماہنامہ الشریعہ دسمبر ۱۹۹۶ء)

بعد الحمد والصلوۃ۔ حضرات علماء کرام اور عزیز طلبہ! ختمِ بخاری شریف کی اس تقریب میں شرکت اور کچھ عرض کرنے کا موقع میرے لیے سعادت کی بات ہے اور اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ گزارشات آپ حضرات کی خدمت میں پیش کرنا چاہوں گا۔ بخاری شریف کی آخری حدیث کے حوالہ سے علمی مباحث تو حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہ آپ کے سامنے رکھیں گے، البتہ کتاب کے موضوع اور صاحب کتاب کے بارے میں چند معروضات ضروری سمجھتا ہوں۔ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کچھ مقصد کی باتیں کہنے سننے کی توفیق عطا فرمائیں۔

بخاری شریف کا آغاز و اختتام

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا آغاز ''بدء الوحی'' سے کیا ہے اور اس کے بعد کتاب الایمان اور کتاب العلم اور پھر اعمال کے ابواب شروع کیے ہیں، جس سے وہ یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایمان، علم اور عمل تینوں کی بنیاد وحی پر ہے۔ یہ بہت بڑا مسئلہ ہے اور آج کے دور میں بھی انسانی معاشرے کو سب سے بڑا مسئلہ یہی درپیش ہے کہ اسے اپنے تمام معاملات خود طے کرنے ہیں یا آسمانی ہدایات کی پابندی قبول کرنی ہے؟ اس لیے امام بخاریؒ نے ابتدا میں ہی بات واضح کر دی ہے کہ اسلام میں تمام امور کی بنیاد وحی پر ہے اور آسمانی تعلیمات کے دائرے سے ہٹ کر کوئی یقین، کوئی علم اور کوئی عمل قابلِ قبول نہیں ہے۔

اسی طرح امام بخاریؒ نے ”الجامع الصحیح“ کا اختتام جس کتاب پر کیا ہے اس کا عنوان ہے "کتاب الرد علی الجهمية وغيرهم التوحيد"۔ جہمیہ قرن اول کے گمراہ فرقوں میں سے ایک ہے جنہوں نے فلسفیانہ موشگافیوں میں پڑ کر اسلامی عقائد کی گمراہ کن تعبیرات شروع کر دی تھیں۔ یہ گمراہ فرقے یونانی فلسفہ کے مسلمانوں میں پھیلنے کے بعد رونما ہوئے تھے اور علماء امت نے ہر دور میں ان کے عقائد اور تعبیرات کو مسترد کیا ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی ان گروہوں کے عقائد و تعبیرات کے خلاف مختلف ابواب میں روایات پیش کی ہیں اور اسی عنوان پر کتاب کا اختتام کر کے یہ بتایا ہے کہ جہاں اپنے ایمان، علم اور عمل کی بنیاد وحی پر رکھنا ضروری ہے، وہاں انہیں غلط تعبیرات سے محفوظ رکھنا اور گمراہ فرقوں پر نظر رکھتے ہوئے ان کا تعاقب بھی ضروری ہے۔

اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ امام بخاریؒ نے جن فتنوں اور گمراہ گروہوں کا رد کیا ہے ان میں سے بیشتر یونانی فلسفہ کی پیداوار تھے۔ اب ان گروہوں کا بحیثیت گروہ دنیا میں کہیں وجود نہیں ہے البتہ جراثیم باقی ہیں جو مختلف ذہنوں میں جگہ بنائے ہوئے ہیں اور ان کا کبھی کبھی اظہار ہوتا رہتا ہے۔ آج کے دور کے فتنے اس سے مختلف ہیں۔ آج دنیا پر مغرب کے سیکولر فلسفہ کی یلغار ہے اور اس نے ایمان، علم اور اعمال کے حوالہ سے ہمارے لیے نئے نئے فتنے کھڑے کر دیے ہیں۔ آج علماء کو ان کی طرف توجہ دینے کی ضرورت ہے، اور جس طرح یونانی فلسفہ کی کارفرمائی کے دور میں اس وقت کے علماء نے یونانی فلسفہ پر عبور حاصل کر کے اس کے پیدا کردہ فتنوں کا مقابلہ کیا تھا، آج کے علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ مغرب کے سیکولر فلسفہ کو سمجھیں اور اس کی پیدا کردہ علمی اور فکری گمراہیوں کا تعاقب کریں۔

یہ دو باتیں تو کتاب کے حوالہ سے عرض کرنا چاہتا تھا، اب دو باتیں صاحب کتاب کے حوالہ سے گزارش کرنا چاہتا ہوں۔

امام بخاریؒ اور خلقِ قرآن کا مسئلہ

”الجامع الصحیح“ کے مصنف امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ جلیل القدر محدث ہیں اور امت کے بڑے ائمہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ان کے حالاتِ زندگی کا آپ حضرات نے مطالعہ کیا ہو گا، ان کے ایک واقعہ کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ انہیں ایک موقع پر بعض علماء کی مخالفت کی وجہ سے نیشاپور چھوڑنا

پڑا تھا۔ اصل وجہ خواہ کچھ لوگوں کا حسد ہو مگر ظاہری وجہ یہ بنی تھی کہ "خلقِ قرآن" کے مسئلہ پر امام بخاریؒ نے جو تعبیر اختیار کی تھی اسے ان کی مخالفت کا بہانہ بنا لیا گیا تھا۔ اس مسئلہ پر امت کے دو بڑے اماموں امام احمد بن حنبلؒ اور امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی تعبیرات کو سامنے رکھیں تو اصل مسئلہ واضح ہو گا۔ امام احمدؒ کے سامنے وہ لوگ تھے جو قرآن کریم کو کلامِ الٰہی کی صورت میں صفتِ خداوندی نہیں مانتے تھے اور مخلوق شمار کرتے تھے، اس لیے انہیں مصائب و مشکلات کی پروا کیے بغیر یہ اعلان کرنا پڑا کہ "القرآن كلام الله غير مخلوق"۔ اس کے لیے انہوں نے کوڑے بھی کھائے مگر عزیمت و استقامت کی ایک داستان رقم کر دی۔ دوسری طرف امام بخاریؒ کے سامنے وہ حضرات تھے جو "غیر مخلوق" کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے اس میں انسانی تلفظ اور اس کے دیگر متعلقات کو بھی شامل کرنے لگے تھے، اس لیے انہوں نے "لفظي بالقرآن مخلوق" کا نعرہ لگایا اور اس پر قائم رہتے ہوئے نیشا پور سے جلاوطنی قبول کر لی۔

دونوں امام بظاہر ایک دوسرے کے خلاف بات کر رہے ہیں، دونوں امت کے جلیل القدر امام ہیں اور دونوں نے اپنے اپنے موقف کی خاطر صعوبتیں برداشت کیں۔ مگر اصل بات یہ ہے کہ دونوں کا موقف ایک ہے اور اس میں تضاد نہیں ہے۔ نہ امام بخاریؒ کلامِ الٰہی کو مخلوق کہہ رہے ہیں، اور نہ امام احمدؒ کے نزدیک انسانی تلفظ غیر مخلوق ہے۔ دونوں نے اس عقیدہ کی انتہا پسندانہ تعبیرات کو رد کیا ہے اور اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک اعتدال کی ترجمانی کی ہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ عقائد کی تعبیر میں انتہائی احتیاط اور توازن کی ضرورت ہے، کسی بھی اسلامی عقیدہ کی کوئی انتہا پسندانہ تعبیر کی جائے گی تو فتنہ پھیلے گا اور خرابی ہو گی۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ اسلامی عقائد کو تعبیر کا جامہ پہناتے ہوئے اعتدال اور توازن کو ملحوظ رکھا جائے اور کسی بھی عقیدہ کی انتہا پسندانہ تعبیر سے گریز کیا جائے۔

امام بخاریؒ کے آخری ایام

امام بخاریؒ کے حوالہ سے دوسری بات یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ انہیں زندگی کے آخری لمحات میں اپنے آبائی شہر بخارا کو بھی چھوڑنا پڑا تھا اور ان کی وفات سمرقند کے قریب ایک بستی خرتنگ میں ہوئی تھی جہاں ان کی قبر کی زیارت بحمد اللہ تعالیٰ میں نے بھی کی ہے۔ انہیں بخارا سے نکلنا پڑا تھا جس کی وجہ یہ ہوئی کہ بخارا کے امیر خالد بن احمد نے ان سے تقاضا کیا کہ وہ اس کے گھر آ کر اس کے

بچوں کو حدیث اور تاریخ پڑھائیں۔ امام بخاریؒ نے اسے قبول نہیں کیا اور فرمایا جسے پڑھنا ہو ان کی مجلس میں آکر پڑھے۔ اس کے بعد امیر بخارا نے فرمائش کی کہ اپنی مجلس میں اس کے بچوں کی تعلیم کے لیے الگ وقت مخصوص کر دیں۔ امام بخاریؒ نے اس کو بھی گوارا نہیں کیا اور فرمایا کہ انہیں اگر پڑھنا ہے تو عام مجلس میں دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر پڑھیں۔ یہ بات امیر بخارا کی ناراضگی کا باعث بنی اور امام بخاریؒ کے خلاف سازشوں کا آغاز ہو گیا جس کے نتیجے میں امام بخاریؒ کو بخارا چھوڑنا پڑا اور خرتنگ میں مسافرت اور کسمپرسی کے عالم میں ان کا انتقال ہو گیا۔

اس واقعہ میں ہمارے لیے سبق یہ ہے کہ علم کا وقار قائم رکھنا اور اسے امراء کے دروازوں پر رسوا ہونے سے بچانا بھی اہلِ علم کی ذمہ داری ہے خواہ اس کے لیے ذاتی طور پر کتنی ہی تکلیف اور پریشانی اٹھانا پڑے، اور امام بخاریؒ کی زندگی کا آخری سبق ہمارے لیے یہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائیں اور ہم سب کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دیں۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

وحی کی ضرورت اور اس کی حقیقت وماہیت

(۱۰ مارچ ۱۹۹۹ء کو جامعہ اسلامیہ، کشمیر روڈ، راولپنڈی صدر میں بخاری شریف کے سبق کے آغاز پر ایک باوقار تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں راولپنڈی اور اسلام آباد کے علماء کرام اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد کے علاوہ بہت سے دیگر شہریوں نے بھی شرکت کی۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان مدظلہ نے بخاری شریف کی پہلی حدیث کا درس دے کر سبق کا آغاز فرمایا جبکہ ان کے علاوہ شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد السلام، حضرت مولانا قاری سعید الرحمان، اور مدیر الشریعہ مولانا زاہد الراشدی نے بھی شرکاء سے خطاب کیا۔ مولانا راشدی کے خطاب کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ ادارہ الشریعہ)

بعد الحمد والصلوۃ۔ حضرات علماء کرام، محترم بزرگو، دوستو اور عزیز طلبہ! حضرت مولانا قاری سعید الرحمان صاحب نے مجھے اور آپ دونوں کو آزمائش میں ڈال دیا ہے کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا حسن جان مدظلہ کے خطاب کے بعد اور شیخ الحدیث حضرت مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ مدظلہ کے خطاب سے پہلے مجھے حکم دیا ہے کہ بخاری شریف کے سبق کے افتتاح کی اس تقریب میں آپ حضرات کی خدمت میں کچھ گزارشات پیش کروں۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ ان دو بزرگوں کے درمیان مجھ جیسا طالب علم کیا بات کرے گا۔ البتہ ایک بات ذہن میں آئی ہے جس سے کچھ حوصلہ ہوا ہے، وہ یہ کہ فقہاء کرامؒ نے زکوۃ کے نصاب کے بارے میں لکھا ہے کہ اگر وہ سال کے آغاز اور اختتام پر مکمل ہے تو درمیان میں کسی وقت اس میں کمی بھی ہو جائے تو اس کمی کا اعتبار نہیں ہے۔ اس لیے یہ سوچ کر آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا ہوں کہ گفتگو کا آغاز حضرت مولانا حسن جان صاحب نے کیا ہے اور اختتام اور دعا حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب فرمائیں گے، اگر درمیان میں مجھ جیسے طالب علم کی کمزور باتیں بھی ہو جائیں تو تقریب کا نصاب بہرحال متاثر نہیں ہوگا۔

وحی کی ضرورت کیا ہے؟

حضرات محترم! امام بخاریؒ نے اپنی عظیم المرتبت کتاب کا آغاز "بدء الوحی" سے کیا ہے اور یہ بتایا

ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز کیسے ہوا تھا۔ اسی مناسبت سے حضرت مولانا حسن جان نے وحی کے حوالہ سے گفتگو فرمائی ہے، اور میں بھی وحی کے بارے میں ہی کچھ طالب علمانہ گزارشات پیش کرنا چاہوں گا۔ اول یہ کہ وحی کی ضرورت کیا ہے؟ دوسری یہ کہ وحی کی ماہیت کیا ہے؟ اور تیسری یہ کہ بخاری شریف جس علم کی کتاب ہے یعنی حدیثِ نبویؐ، اس علم کا وحی کے ساتھ تعلق کیا ہے؟

جہاں تک وحی کی ضرورت کا تعلق ہے اس کے بارے میں اتنی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا رضی اللہ عنہا یعنی نسلِ انسانی کے ماں باپ کو زمین پر اتارا تھا تو اترنے کے حکم کے ساتھ ہی ایک ہدایت کی تھی کہ:

> ”زمین پر اتر جاؤ! وہاں میری طرف سے ہدایات آتی رہیں گی، جس نے ان ہدایات کی پیروی کی وہ غم اور خوف سے نجات پائے گا اور جس نے انہیں جھٹلا دیا وہ جہنم میں جائے گا۔“ (البقرہ)

زمین ہمارا آبائی وطن نہیں ہے، ہمارا آبائی وطن جنت ہے جہاں ماں اور باپ حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو پیدا کیا گیا۔ زمین میں ہم عارضی طور پر امتحان کے لیے آئے ہیں اور امتحانی عرصہ گزارنے کے بعد ہم نے اس زمین سے واپس چلے جانا ہے۔ البتہ واپس اصلی گھر یعنی جنت میں ان لوگوں کو جانا نصیب ہو گا جو زمین میں اللہ تعالیٰ کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے امتحان میں کامیاب ہوں گے، اور جو لوگ ان ہدایات سے انکار کر دیں گے اور امتحان میں ناکام ثابت ہوں گے وہ واپس اصلی گھر میں نہیں جائیں گے بلکہ دوسرے گھر یعنی دوزخ میں جانا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کے پہلے دو افراد کو زمین پر اتارتے ہی کہہ دیا تھا کہ انسانی آبادی زمین پر اپنی مرضی میں آزاد نہیں ہو گی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہدایات کی پابند ہو گی۔ یہ ہدایات حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے ذریعے وقتاً فوقتاً نازل ہوتی رہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوئیں۔ ان ہدایات کا نام وحی ہے اور یہ زمین پر نسلِ انسانی کے لیے خدائی دستور ہے۔

حضرت امام بخاریؒ نے وحی سے کتاب کا آغاز کیا ہے اور اس کے بعد ایمان، علم اور اعمال کے ابواب لائے ہیں۔ اس طرح انہوں نے یہ بتا دیا ہے کہ ہمارے ہاں ایمان و یقین اور علم و عمل سمیت

ہر چیز کی بنیاد وحیٔ الٰہی ہے، اور ہم ہر معاملہ میں وحیٔ الٰہی کی راہنمائی حاصل کرنے کے پابند ہیں۔ اور اگر آپ غور فرمائیں تو یہ آج کی انسانی سوسائٹی کا سب سے بڑا مسئلہ بھی ہے کہ آسمانی تعلیمات اور وحیٔ الٰہی سے بغاوت کے بعد انسانی سوسائٹی نے جو کئی صدیاں گزاری ہیں اور اپنے مسائل خود حل کرنے کی کوشش کی ہے، اس میں ناکامی کے بعد نسلِ انسانی کو آج پھر وحیٔ الٰہی کی طرف رجوع کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ انسانی سوسائٹی اپنی حکمران خود ہے اور اسے اپنے معاملات طے کرنے کے لیے باہر سے کسی ہدایت کی ضرورت نہیں ہے۔ آج دنیا بھر میں یہی گمراہی مسلط ہے مگر امام بخاریؒ نے "بدء الوحی" سے کتاب کا آغاز کر کے اس تصور کو رد کر دیا ہے اور بتایا ہے کہ ہر معاملہ میں وحیٔ الٰہی کی راہنمائی کی ضرورت ہے، اور آسمانی تعلیمات کی پیروی کے بغیر انسانی معاشرہ دنیا یا آخرت کسی جگہ میں بھی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔

وحی کی ماہیت کیا ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ وحی کی ماہیت کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ وحی انسان کی اپنی کسی تخلیقی صلاحیت کا ثمرہ ہے یا واقعتاً باہر سے اسے ہدایات ملتی ہیں؟ آج کل عام طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ وحی کا کوئی خارجی وجود نہیں بلکہ بعض انسانوں میں مخصوص قسم کی تخلیقی صلاحیت ہوتی ہے اور اس صلاحیت کی بنیاد پر وہ جو سوچتے اور کہتے ہیں اس کا نام وحی ہے۔ یہ بات سر سید احمد خان نے لکھی ہے اور آج کی فکری گمراہیوں کا سب سے بڑا سر چشمہ یہی ہے۔ انہوں نے لکھا ہے کہ وحی کا کوئی خارجی وجود نہیں ہے بلکہ شعر و شاعری طرز کی تخلیقی صلاحیت حضرات انبیاء کرامؑ کو ودیعت ہوئی تھی، اس حوالہ سے ان پر خاص کیفیت وارد ہوتی تھی، اس کیفیت کا نام جبرئیلؑ ہے، اور اس کیفیت میں ان کی زبان سے صادر ہونے والے کلام کا نام وحی ہے۔ اس طرح نہ حضرت جبریل علیہ السلام کا کوئی خارجی وجود ہے اور نہ ہی وحی کوئی باہر سے آنے والی ہدایت ہے۔

آج جب کوئی دانشور جناب رسول اکرمؐ کو خراجِ عقیدت پیش کرنے اور محبت کے اظہار کے ساتھ آپؐ کی ہدایات کی تعریف کرتا ہے اور پھر یہ کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات بہت اچھی تھیں مگر آج کے زمانہ کے لیے نہیں تھیں، اب زمانہ بدل گیا ہے اس لیے بہت سی اصلاحات کی ضرورت ہے، تو اس کے پس منظر میں یہی فکری کجی کارفرما ہوتی ہے کہ وحی خود جناب نبی اکرمؐ کی سوچ

اور تخلیقی صلاحیت کا ثمرہ ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے اور اصل واقعہ یہ ہے کہ وحی باہر سے آنے والی ہدایات کا نام ہے جسے بھیجنے والا اللہ تعالیٰ ہے، لانے والے حضرت جبرئیلؑ ہیں، اور وہ حضرات انبیاء کرامؑ پر نازل ہوئی ہے۔ اس لیے وحی داخلی کیفیات کا نام نہیں ہے بلکہ خارجی ہدایات کا ذریعہ ہے۔

کم و بیش یہی بات قادیانی کہتے ہیں مگر اور انداز سے۔ ان کا کہنا ہے کہ نبوت وہبی نہیں بلکہ کسبی چیز ہے، یعنی کوئی شخص خود بھی ترقی اور محنت کر کے نبوت کے منصب تک پہنچ سکتا ہے۔ مگر یہ بات قطعی طور پر غلط ہے کیونکہ نبوت خالصتاً وہبی منصب ہے، جسے خود اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے عطا فرماتے ہیں، اور وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی ہدایات کا نام ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہو چکی ہیں اور آپؐ کے بعد نبوت اور وحی کا دروازہ قیامت تک کے لیے بند ہو چکا ہے۔

وحی کا حدیث و سنت کے ساتھ کیا تعلق ہے؟

تیسری بات یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حدیث و سنت کا وحی کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ اس پر بہت کچھ عرض کیا جا سکتا ہے مگر اس موقع پر مختصراً صرف اتنی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حدیث و سنت بھی وحی کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ اور یہ قرآن کریم کا بیان اور اس کی شرح ہے جو جناب نبی اکرمؐ نے اللہ تعالیٰ کے رسول اور نمائندہ کی حیثیت سے فرمائی ہے۔ اس لیے قرآن کریم کی مستند اور "سرکاری" تشریح یہی ہے۔ اس پر تفصیلات میں جانے کی بجائے ایک واقعہ عرض کرنا چاہتا ہوں جو خود امام بخاریؒ نے اس کتاب میں نقل کیا ہے کہ جناب نبی کریمؐ کے جلیل القدر صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کوفہ کی جامع مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ ایک درس میں انہوں نے عورتوں کے بارے میں مسائل بیان کرتے ہوئے آنحضرتؐ کا یہ ارشاد نقل کر دیا کہ:

> "جسم پر نام گدوانے والی، بال اکھاڑنے والی اور ریتی سے دانت رگڑ کر ان کو چھوٹا کرنے والی عورتوں پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے"۔

بخاری شریف کی روایت کے مطابق کوفہ کی ایک خاتون ام یعقوبؒ نے یہ بات سنی تو وہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے پاس آئی اور پوچھا کہ کیا آپ نے یہ بات فرمائی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں میں نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے۔ اس پر خاتون نے سوال کیا کہ کیا یہ قرآن میں ہے؟ اس کے ذہن میں یہ بات ہو گی کہ جب لعنت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے تو اس کا ذکر قرآن کریم میں ہونا چاہیے، اس لیے اس

نے یہ سوال کر دیا۔ حضرت عبدالہ بن مسعودؓ نے جواب دیا کہ ہاں قرآن کریم میں یہ بات موجود ہے۔ اس پر خاتون نے تعجب اور حیرت کے ساتھ پوچھا کہ قرآن کریم تو میں نے بھی پڑھا ہے اس میں کہیں یہ مسئلہ موجود نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحشر میں فرمایا ہے کہ ”اللہ کے رسول تمہیں جس کام کے کرنے کا حکم دیں وہ کرو اور جس کام سے روکیں اس سے رک جاؤ“۔ اور جناب نبی اکرمؐ کا ارشاد گرامی ہے کہ ”جسم پر نام گدوانے والی، بال اکھاڑنے والی اور دانت رگڑ کر چھوٹے کرنے والی عورتوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔“ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد دراصل اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

ظاہر بات ہے کہ جناب نبی اکرمؐ جب اللہ تعالیٰ کے رسول اور نمائندہ ہیں تو اصول یہ ہے کہ نمائندہ کی کوئی بات اپنی نہیں ہوتی، بلکہ وہ نمائندہ کی حیثیت سے جو کچھ بھی کہتا ہے وہ اسی کی طرف سے ہوتی ہے جس کا وہ نمائندہ ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے جب یہ فرمادیا کہ میرا رسول جس کام کے کرنے کا حکم دے وہ کرو اور جس کام سے روکے اس سے رک جاؤ، تو اس اصول کے تحت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ بھی فرمایا ہے اور جو کچھ بھی کہا ہے وہ قرآنی تعلیمات کا ہی حصہ ہے اور اسے قرآن کریم سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ وقت کم ہے اس لیے انہی گزارشات پر اکتفا کرتا ہوں۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

انصاف، وحی اور عقل

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد - ۶ نومبر ۱۹۹۹ء)

جامعہ اسلامیہ امدادیہ، ستیانہ روڈ، فیصل آباد ملک کے معروف دینی اداروں میں شمار ہوتا ہے جو شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد کی سربراہی میں علمی و دینی خدمات میں مصروف ہے۔ مولانا موصوف تدریس و تربیت کا اعلیٰ ذوق رکھنے کے ساتھ ساتھ انتظام اور تعلقاتِ عامہ کی بھرپور صلاحیتوں سے بھی بہرہ ور ہیں، اور نیکی اور خلوص نے ان کی خوبیوں اور صلاحیتوں کے حسن کو دوبالا کر رکھا ہے۔ وہ ہر سال بخاری شریف کے اختتام کے موقع پر ایک بھرپور تقریب کا اہتمام کرتے ہیں جو بلاشبہ ضلع فیصل آباد میں دیوبندی مکتبِ فکر سے تعلق رکھنے والے علماء کرام، طلبہ اور دینی کارکنوں کا منتخب سالانہ اجتماع ہوتا ہے۔

اس سال یہ تقریب ۲۹ اکتوبر کو مغرب کے بعد ہوئی۔ سپریم کورٹ آف پاکستان کے شریعت ایپلٹ بینچ کے رکن جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی مہمان خصوصی تھے، انہوں نے بخاری شریف کے آخری باب کا درس دے کر دورۂ حدیث کے طلبہ کو درسِ نظامی کے نصاب کی یہ آخری کتاب مکمل کرائی۔ جبکہ بزرگ عالمِ دین حضرت مولانا مفتی عبد الشکور ترمذی، مولانا منظور احمد چنیوٹی اور دیگر سرکردہ علماء کرام نے فضلاء کی دستار بندی کی۔ مولانا نذیر احمد نے اس سال راقم الحروف کو بھی اس تقریب میں شرکت اور گفتگو کا حکم دیا تھا اس لیے کچھ گزارشات پیش کرنے کا موقع مل گیا۔

معتزلہ کے عقائد اور مولانا محمد تقی عثمانی کا رَد

جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی نے بخاری شریف کے آخری باب اور آخری حدیث کے حوالہ سے بہت سے علمی امور پر گفتگو کی جن میں سے ایک بات کا تذکرہ قارئین کے لیے مناسب معلوم ہوتا ہے۔

امام بخاریؒ نے آخری باب میں قیامت کے دن انسانوں کے اعمال تولے جانے کے بارے میں

معتزلہ کے ایک اعتراض کا رد کیا ہے، جو کہتے تھے کہ قرآن کریم میں وزنِ اعمال کے بارے میں جن آیات میں ارشاد فرمایا گیا ہے ان سے مراد حقیقتاً اعمال کو تولنا اور ان کا وزن کرنا نہیں، بلکہ اعمال کے وزن کی اصطلاح محاورہ کے طور پر عدل وانصاف کے معنیٰ میں استعمال کی گئی ہے۔ اور ان کا اشکال یہ تھا کہ اعمال کا کوئی ٹھوس وجود نہیں ہوتا بلکہ وہ اعراض اور کیفیات میں سے ہیں جن کو تولا نہیں جا سکتا۔ اس کا جواب مولانا عثمانی نے دیا کہ یہ پرانے دور کی بات ہے کہ اعراض اور کیفیات کا وزن نہیں ہو سکتا تھا، اب ایسے سائنسی آلات ایجاد ہو چکے ہیں جن کے ذریعہ گرمی، سردی، آواز اور ہوا وغیرہ کا وزن کیا جاتا ہے اس لیے اب اس اشکال کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی۔

معتزلہ کا دوسرا اشکال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کو انسانوں کے اعمال تولنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ اس کے پاس تو ہر چیز کا علم موجود ہے اور وہ ہر شخص کے ہر عمل کی حقیقت، وزن اور کیفیت کو جانتا ہے۔ لہٰذا اعمال کا وزن کرنا ایک بے مقصد اور بلا ضرورت کام ہے۔ اس کے جواب میں مولانا صاحب نے کہا کہ انسانوں کے اعمال کا وزن اللہ تعالیٰ اپنے علم کے لیے نہیں کریں گے بلکہ لوگوں کو یہ بتانے کے لیے کریں گے کہ جس شخص کو اس کے اعمال کی وجہ سے سزا دی جا رہی ہے وہ فی الواقع قصور وار ہے اور اس کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی جا رہی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ضابطہ اور قانون سے انصاف کا یہ بنیادی اصول اور تقاضہ سمجھ میں آتا ہے کہ کسی ملزم کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت صرف جج کا ذاتی علم کافی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ فقہاء نے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر کوئی قاضی کسی مقدمہ کا فیصلہ کرتے وقت ذاتی طور پر ملزم کے بارے میں علم رکھتا ہو اور اسے معلوم ہو کہ ملزم نے یہ حرکت فی الواقع کی ہے، تو بھی وہ محض اپنے ذاتی علم کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہے بلکہ اسے عدالت میں شہادت کے تقاضے پورے کرنا ہوں گے اور عدالتی پراسیس سے گزر کر ہی وہ کوئی فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انصاف کے لیے یہ ضروری ہے کہ انصاف ہوتا ہوا عام لوگوں کو بھی نظر آئے اور انصاف کے عمل کا مشاہدہ کرنے والے اس بات کی گواہی دیں کہ انصاف کے تقاضے پورے ہوئے ہیں اور جس شخص کو سزا دی گئی ہے وہ واقعتاً اس کا مستحق تھا۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کسی ملزم کے بارے میں اپنے علم کو، جو قطعی اور یقینی ہے، فیصلہ کی بنیاد نہیں بنائیں گے تو کسی اور جج کا بھی یہ استحقاق

نہیں ہے کہ وہ محض اپنے علم اور اطمینان کی بنا پر کسی ملزم کو سزا دے۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ انصاف کے تقاضوں اور عدالت کے قواعد و ضوابط کا اس درجہ اہتمام کرے کہ انصاف ہوتا ہوا لوگوں کو نظر آئے، اور خود ملزم پر بھی اتمام حجت ہو کہ اسے سزا اس کے اپنے اعمال کی وجہ سے مل رہی ہے۔

عقل پر وحی کی فوقیت

راقم الحروف نے اپنی گفتگو میں زیادہ زور اس بات پر دیا کہ امام بخاریؒ نے بخاری شریف کا آغاز وحی کے نزول اور اس کی کیفیات کے بیان سے کیا ہے اور اختتام معتزلہ کے ایک اعتراض کے رد پر کیا ہے۔ معتزلہ صرف اس لیے اعمال کے وزن کا انکار کر رہے تھے کہ یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، یعنی انہوں نے قرآن کریم کے احکام اور ارشادات کو سمجھنے اور ماننے کے لیے اپنی عقل کو مدار ٹھہرا لیا تھا کہ جو بات عقل اور سمجھ میں آئے گی وہ مانیں گے اور جو سمجھ میں نہیں آئے گی اس میں تاویل کریں گے، یا اس کا انکار کریں گے۔ امام بخاریؒ نے اس طرز عمل کو غلط ٹھہرایا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ وحی اور عقل میں اگر کہیں ٹکراؤ آجائے تو وحی کو فوقیت حاصل ہوگی اور صرف اس وجہ سے وحی کی کسی بات کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ سمجھ میں نہیں آ رہی۔

وحی اور عقل دونوں علم کے ذرائع ہیں اور اپنی اپنی جگہ دونوں میں کسی کی اہمیت سے انکار نہیں ہے۔ البتہ یہ فرق سمجھنا ضروری ہے کہ وحی علمِ یقینی کا ذریعہ ہے جبکہ عقل کے ذریعہ جو علم حاصل ہوتا ہے وہ زیادہ سے زیادہ غلبۂ ظن تک پہنچاتا ہے، اور محض عقل کے واسطہ سے کسی کو یقینی علم حاصل نہیں ہو پاتا۔ اس لیے عقل اگر اپنے درجہ میں رہے تو وہ بہت بڑی نعمت ہے اور مفید و کارآمد چیز ہے، مگر جب عقل وحی کے مقابل پر آئے تو سوائے گمراہی کے اس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔

راقم الحروف نے یہ ذکر کیا کہ عقل اور وحی کی کشمکش نسلِ انسانی کے آغاز سے ہی جاری ہے جب فرشتوں اور ابلیس کو حکم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں، تو فرشتوں نے کسی تردد میں پڑے بغیر سجدہ کر دیا جو وحی کے حکم کی تعمیل تھی، لیکن ابلیس اس شش و پنج میں پڑ گیا کہ وہ آدم کو آخر سجدہ کیوں کرے؟ اس طرح اس نے اپنے فیصلے کی بنیاد محض عقل کو بنایا تو راندۂ درگاہ قرار پایا۔

آج کے عالمی فلسفہ کی بنیاد

آج بھی وحی اور عقل کی یہ کشمکش جاری ہے اور پورے عروج پر ہے۔ آج کے عالمی فلسفے کی بنیاد اس پر ہے کہ انسانی سوسائٹی اپنے فیصلے کرنے میں پوری طرح آزاد ہے اور اسے باہر سے ڈکٹیشن لینے یعنی آسمانی تعلیمات کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور انسانی سوسائٹی کی اجتماعی عقل اکثریت کی بنیاد پر جو فیصلہ بھی کرے وہ درست ہے اور وہی حق ہے۔ مغرب کے سارے فلسفے اور سولائزیشن کی بنیاد اسی فلسفہ پر ہے اور اس فلسفہ نے دنیا پر اس حد تک غلبہ پا لیا ہے کہ اب مغرب میں مذہبی فیصلے بھی اسی بنیاد پر ہونے لگے ہیں، جیسا کہ برطانیہ کے سب سے بڑے مسیحی مذہبی ادارے چرچ آف انگلینڈ نے چند سال قبل اپنی شاخوں کو ہدایت جاری کی تھی کہ شادی کے بغیر میاں بیوی کے طور پر اکٹھے رہنے والے جوڑوں کا تناسب چونکہ پچاس فیصد سے بڑھ گیا ہے اور سوسائٹی کی اکثریت نے اس عمل کو قبول کر لیا ہے اس لیے آئندہ اس عمل کو ''گناہ'' نہ کہا جائے۔

مگر اسلام اس فلسفہ کو قبول نہیں کرتا اور ہمارا واضح عقیدہ ہے کہ وحیٔ الٰہی یعنی قرآن و سنت کے صریح احکام کے مقابلہ میں سوسائٹی کی اکثریت نہیں، بلکہ چھ ارب آبادی پر مشتمل پوری نسلِ انسانی کسی بات پر خدانخواستہ متفق ہو جائے تو بھی حق اور باطل کا معیار نہیں تبدیل ہوگا۔ حق وہی رہے گا جو وحیٔ الٰہی کے ذریعہ معلوم ہوا ہے اور اس کے مقابلہ میں پوری نسلِ انسانی کا اجماع بھی باطل قرار پائے گا۔

آج مغربی اقوام اور عالمِ اسلام کے درمیان فکر و فلسفہ کی جو کشمکش ''سولائزیشن وار'' کے عنوان سے جاری ہے اس کی بنیاد اسی اختلاف پر ہے۔ اور امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ نے صحیح بخاری کے آغاز اور اختتام میں وحی اور عقل کے حوالہ سے شرعی نقطۂ نظر کی وضاحت کر کے اس سلسلہ میں اسلامی موقف کی ترجمانی کی ہے۔ اس لیے علماء کرام اور اساتذہ و طلبہ کو چاہیے کہ وہ اس کشمکش کا مکمل ادراک حاصل کریں اور مسلمانوں کو اس کے پس منظر اور نتائج سے آگاہ کر کے اس تہذیبی جنگ میں ملتِ اسلامیہ کی رہنمائی کو صحیح طور پر سرانجام دینے کی کوشش کریں۔

حضرت امام بخاریؒ کی مجتہدانہ شان

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۸ ستمبر ۲۰۰۴ء)

دو ستمبر کو جامعہ خیر المدارس ملتان میں اختتام بخاری شریف کی سالانہ تقریب میں حاضری کے لیے حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری سے وعدہ تھا اور حاضری کا ارادہ بھی تھا، بلکہ اس بابرکت محفل میں پیش کرنے کے لیے کچھ معروضات قلمبند بھی کر لی تھیں، مگر ایک اچانک گھریلو مصروفیت کی وجہ سے ملتان کا سفر نہ کر سکا۔ اس تقریب کے لیے جو گزارشات قلمبند کی تھیں وہ قارئین کی دلچسپی کے لیے پیش کی جا رہی ہیں۔

جامعہ خیر المدارس ملتان کی اختتام بخاری شریف کی تقریب میں حاضری میرے لیے سعادت اور اعزاز کی بات ہے جس کے لیے میں برادر محترم حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری زیدت مکارمہم کا شکر گزار ہوں۔ اس بابرکت تقریب میں ہمارے مخدوم و محترم بزرگ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم دورۂ حدیث کے طلباء کو بخاری شریف کی آخری حدیث کا سبق پڑھائیں گے اور دیگر محترم اساتذہ بھی خطاب کریں گے۔ مجھے بھی یہی حکم ہے کہ آج کی اس تقریب کی مناسبت سے کچھ معروضات پیش کروں۔ تعمیلِ حکم میں چند گزارشات پیش کر رہا ہوں۔ دعا کریں کہ اللہ رب العزت کچھ مقصد کی باتیں کہنے اور سننے کی توفیق عطا فرمائیں اور دینِ حق کی جو بات علم اور سمجھ میں آئے اس پر عمل کی توفیق سے بھی نوازیں، آمین یارب العالمین۔

جامعہ خیر المدارس ملتان کا فیض

جامعہ خیر المدارس کے ساتھ میرا تعلق نیاز مندی اور استفادہ کا ہے۔ حدیثِ نبویؐ میں میرے ایک محترم استاذ حضرت مولانا عبد القیوم ہزاروی دامت برکاتہم جامعہ خیر المدارس سے فیض یافتہ ہیں۔ اس طرح مجھے جامعہ خیر المدارس سے بالواسطہ شرفِ تلمذ حاصل ہے اور یہ نسبت میرے لیے قابلِ فخر ہے۔ میں نے اپنے بچپن میں نماز کا سبق حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہٗ کی ”نمازِ

حنفی“ سے سیکھا ہے اور یہ بھی تلمذ ہی کی ایک قسم ہے۔ بچپن کے دور میں حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایک بار حاضری اور دعاؤں کا شرف حاصل کر چکا ہوں، اس لیے میں اسے اپنے لیے افتخار اور اعزاز کے ساتھ ساتھ امتحان اور آزمائش کا مرحلہ بھی خیال کرتا ہوں کہ جامعہ خیر المدارس کی اختتام بخاری شریف کی تقریب میں کچھ طالب علمانہ معروضات پیش کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے میرے لیے دونوں جہانوں کی سعادتوں کا ذریعہ بنائیں، آمین یارب العالمین۔ میں بخاری شریف کے حوالہ سے ان طلبہ سے کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں جو آج آخری حدیث پڑھ کر فضلاء کی فہرست میں داخل ہو رہے ہیں اور آج کے بعد انہیں علماء کی فہرست میں شامل سمجھا جائے گا۔

تمام معاملات کی بنیاد آسمانی تعلیمات پر

امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا آغاز ”بدء الوحی“ سے کیا ہے اور آخر میں عقائد کے حوالہ سے ایک بحث میں وحی کو استدلال کی بنیاد بنا کر ہمیں یہ بتایا ہے کہ ہمارے تمام معاملات وحی اور آسمانی تعلیمات ہی کی بنیاد پر طے ہوں گے۔ امام بخاریؒ نے وحی کی اہمیت پہلے واضح کی اور اس کے بعد ایمان، علم، عبادات، معاملات، اخلاقیات اور دیگر عنوانات پر احادیثِ نبویہ کا ذخیرہ پیش کیا۔ جس کے ذریعہ امام بخاریؒ ہمیں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہمارے ہاں یعنی مسلمانوں کے ہاں وحیٔ الٰہی اور آسمانی تعلیمات ہی فائنل اتھارٹی کی حیثیت رکھتی ہیں اور ہر فیصلہ کی بنیاد ہیں۔

آج کے دور میں یہ بات بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گئی ہے اور اسے سب سے زیادہ اہمیت کے ساتھ واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ انسانی سوسائٹی کی بہت بڑی اکثریت زندگی کے عملی اور اجتماعی معاملات میں وحیٔ الٰہی اور آسمانی تعلیمات کی راہنمائی سے دستبردار ہو گئی ہے۔ اور انسانی سوسائٹی کی اجتماعی سوچ اور خواہش کو صحیح یا غلط، حلال یا حرام، حق یا باطل، اور جائز ناجائز قرار دینے کا فیصلہ کرنے کی واحد اتھارٹی سمجھ لیا گیا ہے۔ حتیٰ کہ ہم مسلمانوں سے بھی عالمی برادری کا مطالبہ یہی ہے کہ ہم انسانی زندگی کے عملی اور اجتماعی معاملات میں وحیٔ الٰہی کی بالادستی اور عملداری کے عقیدہ سے دستبردار ہو جائیں، اور مذہب کو صرف ذاتی عقیدہ، عبادت اور اخلاقیات کے دائرہ میں محصور کر کے باقی تمام امور میں انسانی سوسائٹی کی اجتماعی سوچ اور اجتماعی خواہشات پر مبنی عقیدہ و ثقافت کو قبول کر لیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ وحیٔ الٰہی اور آسمانی تعلیمات کی اہمیت کو زیادہ سے زیادہ واضح کیا جائے،

اور اس عقیدہ کو پختہ کیا جائے کہ ہم انفرادی، خاندانی اور معاشرتی تمام دائروں میں وحیٔ الٰہی کے پابند ہیں اور آسمانی تعلیمات کی راہنمائی میں ہی فلاح اور نجات کی راہ اختیار کر سکتے ہیں۔

امام بخاریؒ صرف محدث نہیں

امام بخاریؒ کو ملتِ اسلامیہ میں ایک عظیم محدث کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ امام بخاریؒ کا مقام محدثین میں بہت بلند ہے اور ان کی ''الجامع الصحیح'' کو بجا طور پر ''اصح الکتب بعد کتاب اللہ'' کہا جاتا ہے، لیکن امام بخاریؒ صرف محدث نہیں ہیں، بلکہ مجتہد اور فقیہ بھی ہیں اور مؤرخ و متکلّم بھی ہیں۔ ان کی اجتہاد و استنباط کی شان ان کے تراجم سے واضح ہوتی ہے اور جس باریک بینی سے وہ احادیث سے مختلف مسائل کے لیے استدلال کرتے ہیں اور عنوانات قائم کرتے ہیں، اس سے ان کی دقتِ نظر اور اجتہادی مقام کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہمارے والد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم اپنے استاد محترم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے حوالہ سے بتایا کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ کے قائم کردہ عنوانات اور تراجمِ ابواب کا ان کے تحت درج احادیث سے تعلق اور ربط تلاش کرتے ہوئے بسا اوقات یہ شعر یاد آجاتا ہے کہ

مگس کو باغ میں جانے نہ دیجیو
کہ ناحق خون پروانے کا ہو گا

شہد کی مکھی کو باغ میں نہ جانے دینا، کیونکہ وہ باغ میں جائے گی تو پھولوں اور پھلوں کا رس چوسے گی، پھر ان سے شہد بنائے گی، پھر اس کے چھتہ سے موم بنے گی، موم سے موم بتی بنائی جائے گی، جو جلے گی تو پروانے آئیں گے اور اس کی روشنی اور تپش میں جل جائیں گے۔ اس لیے پروانے کے خونِ ناحق کو روکنے کے لیے ضروری ہے کہ شہد کی مکھی کو باغ میں نہ جانے دیا جائے، تاکہ نہ وہ ان مراحل سے گزرے اور نہ پروانے کے جلنے کی نوبت آئے۔

روایات واحادیث کے ساتھ مسائل کا استنباط

امام بخاریؒ اپنی ''الجامع الصحیح'' میں صرف روایات واحادیث بیان نہیں کرتے، بلکہ ان سے مسائل

کا استنباط بھی کرتے ہیں اور ایک ایک حدیث سے کئی کئی مسئلے نکالتے ہیں اور کئی مقامات پر اس حدیث کو مختلف عنوانات کے تحت نقل کرتے ہیں۔ بلکہ ایک حدیث کے کئی حصے کر دیتے ہیں اور ہر جگہ موقع کی مناسبت سے اس کا متعلقہ حصہ نقل کرتے ہیں، جس کی وجہ سے بخاری شریف کی کسی ایک روایت کو مکمل کرنے کے لیے کئی ابواب کی چھان بین ضروری ہوجاتی ہے۔ مثلاً جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوادع کے خطبہ میں "ان دماءکم و اموالکم و اعراضکم حرام علیکم کحرمۃ یومکم ھذا" والی حدیث میں ایک جگہ امام بخاریؒ نے "و ابشارکم" کا جملہ بھی نقل کیا ہے، جو میں نے خود ایک بار بخاری شریف میں دیکھا تھا، لیکن حوالہ نقل نہ کرسکا۔ اس لیے دوبارہ اس جملہ کو بخاری شریف میں تلاش کرنے میں کئی برس لگ گئے، حتیٰ کہ جب بالاستیعاب پڑھانے کی نوبت آئی تو یہ جملہ دوبارہ دستیاب ہوسکا۔

بخاری شریف میں ایک روایت کے متعدّد مقامات پر درج ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ ایک حدیث سے کئی مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ مثلاً یہی آخری روایت جو آج آپ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم سے پڑھیں گے، یہ روایت امام بخاریؒ نے تین جگہ نقل کی ہے۔

۱. ایک جگہ ذکر کی فضیلت میں "سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم" کی اہمیت بیان کرتے ہوئے یہ حدیث بیان کی ہے، جہاں امام بخاریؒ "حبیبتان الی الرحمٰن" سے استدلال کرتے ہوئے ان جملوں کی اہمیت واضح کررہے ہیں۔
۲. دوسری جگہ یمین اور قسم کے حوالہ سے یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ اگر کسی نے اس بات پر قسم کھائی ہے کہ وہ کسی سے کلام نہیں کرے گا تو کیا ذکر و اذکار کے کلمات ادا کرنے سے وہ حانث ہوجائے گا؟ صاحبِ ہدایہ کے مطابق فقہاء احناف کا موقف یہ ہے کہ نماز میں پڑھنے سے حانث نہیں ہوگا، جبکہ نماز سے باہر یہ کلمات پڑھنے سے حانث ہوجائے گا۔ مگر امام بخاریؒ کا موقف یہ ہے کہ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے "سبحان اللہ و بحمدہ" کو کلمہ کہا ہے، اس لیے یہ جملہ ادا کرنے سے حانث ہونے کا مدار متکلّم کی نیت اور عرف پر ہوگا۔
۳. اور اب یہی روایت تیسرے مقام پر اس کے جملہ "ثقیلتان فی المیزان" سے استدلال

کرتے ہوئے امام بخاریؒ وزنِ اعمال کے ثبوت میں پیش کر رہے ہیں، جس کی تفصیلات آپ حضرات حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی سے سماعت کریں گے۔

الغرض امام بخاریؒ صرف محدث نہیں ہیں، بلکہ مجتہدین اور فقہاء میں بھی امتیازی شان کے حامل ہیں اور روایت کے ساتھ ساتھ درایت اور استنباط و استدلال کے بھی علمبردار ہیں۔ امام بخاریؒ کی جلالتِ شان اور علمی مقام کے حوالہ سے اور بھی بہت کچھ عرض کرنے کو جی چاہتا ہے، مگر وقت مختصر ہے، اس لیے اس پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان عظیم اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے اور ان کی روایات کی پیروی کی توفیق سے نوازیں، آمین۔

بخاری شریف کے چند امتیازات

(جامعہ کے شیخ الحدیث مولانا زاہد الراشدی نے ۳۱ دسمبر ۲۰۰۳ء سے ۱۰ جنوری ۲۰۰۴ء تک بنگلہ دیش کا دورہ کیا اور ڈھاکہ، چاٹگام، سلہٹ، سونام گنج، درگاپور، مدھوپور، ہاٹ ہزاری، ٹیپا، دیرائی اور مختلف مقامات پر درجنوں دینی اجتماعات سے خطاب کیا، اس دوران انہوں نے جامعہ محمودیہ سلہٹ میں دورۂ حدیث کے طلبہ کو بخاری شریف کا پہلا سبق پڑھایا اور مدینۃ العلم دارالسلام سلہٹ اور دارالرشاد میرپور ڈھاکہ کے اساتذہ و طلبہ کی فرمائش پر انہیں بخاری شریف کی ایک حدیث کا درس دیا، بخاری شریف کے سبق کے سلسلہ میں منعقد ہونے والی مجالس میں ان کے خطاب کا خلاصہ درج ذیل ہے۔ ادارہ نصرۃ العلوم)

بعد الحمد والصلوۃ۔ سب سے پہلے میں بخاری شریف کی تعلیم کا آغاز کرنے والے طلبہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس مقام تک پہنچایا کہ آج وہ حدیثِ نبویؐ کی سب سے مستند کتاب کی تعلیم کا آغاز کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اس کی تکمیل کی توفیق دیں اور علمِ حدیث کی برکات سے مالا مال فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

علمِ حدیث کی سب سے مستند کتاب

بخاری شریف علمِ حدیث کی سب سے مستند کتاب ہے جسے "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" کہا جاتا ہے، حدیثِ نبویؐ کا علم بہت مہتم بالشان علم ہے، جسے حضرت امام ولی اللہ دہلویؒ نے تمام علومِ دینیہ کی اصل اور اساس کہا ہے، اس لیے کہ تمام علومِ دینیہ کے چشمے اسی سے پھوٹتے ہیں، حتیٰ کہ قرآن کریم بھی ہمیں حدیثِ نبویؐ کے ذریعے ملا ہے۔ قرآن کریم کا معنیٰ و مفہوم تو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں مگر ہمیں تو قرآن کریم کے الفاظ بھی آنحضرتؐ کے ارشادات کے ذریعے حاصل ہوئے ہیں، اور جناب رسول اللہ کے ارشادات و فرمودات پر ایمان لائے بغیر ہمارا قرآن کریم کے الفاظ تک پہنچنا ہی ممکن نہیں ہے۔ اس لیے حدیثِ نبویؐ تمام علومِ دینیہ کی اساس اور سرچشمہ ہے اور اسے پورے اہتمام توجہ اور دلجمعی کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ اور بخاری شریف

اس کے بعد بخاری شریف کے بارے میں چند باتوں کو سمجھنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ بخاری شریف کی وہ خصوصیات اور امتیازات کیا ہیں جنہوں نے اسے حدیث کی تمام کتابوں سے ممتاز کر دیا ہے اور اسے علمی حلقوں میں اس قدر قبولیت حاصل ہوئی ہے؟ اس کے بارے میں اساتذہ اور طلبہ سے میری گزارش ہوتی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بخاری شریف کے تراجم ابواب پر مستقل رسالہ لکھا ہے جو ہمارے ہاں بخاری شریف کے متداول نسخوں میں موجود ہے۔ اس کی ابتدا میں حضرت شاہ صاحبؒ کا ایک صفحہ کا مقدمہ ہے جس کے بارے میں ان کا ارشاد ہے کہ بخاری شریف کو جو لوگ سمجھ کر پڑھنا چاہتے ہیں انہیں یہ مقدمہ حفظ کر لینا چاہیے۔ چنانچہ اساتذہ سے میری گزارش ہے کہ اگر حفظ نہ بھی ہو سکے تو کم از کم یہ مقدمہ بخاری شریف کے طلبہ کو سبقاً سبقاً ضرور پڑھا دینا چاہیے، اس میں حضرت شاہ صاحبؒ نے بخاری شریف کے بہت سے امتیازات کا ذکر کیا ہے جن میں سے تین چار کا تذکرہ میں اس وقت مناسب سمجھتا ہوں۔

تمام فنون کی روایات

ایک یہ کہ بخاری شریف سے قبل محدثین کا طریق کار عام طور پر یہ تھا کہ وہ کسی ایک شعبہ کے بارے میں احادیث جمع کرتے تھے، مثلاً حضرت امام مالکؒ نے احکام کے حوالہ سے احادیث جمع کی ہیں، محمد بن اسحاقؒ نے سیرت و مغازی کی روایات کو مرتب کیا ہے، حضرت عبد اللہ بن مبارکؒ نے زہد و رقائق کے بارے میں روایات منضبط فرمائی ہیں، اور ابن جریجؒ نے تفسیری روایات اکٹھی کی ہیں۔ مگر امام بخاریؒ نے تمام فنون کی روایات کو یکجا کر دیا ہے اور اسی وجہ سے اسے ''الجامع'' کہا جاتا ہے کہ اس میں تفسیر، سیرت، عقائد، مغازی، احکام، تاریخ، اخلاق، معاملات اور دیگر تمام شعبوں کے بارے میں روایات انہوں نے مرتب کر دی ہیں جس سے زندگی کے کم و بیش ہر شعبہ سے تعلق رکھنے والی روایات بخاری شریف میں مل جاتی ہیں۔

روایت کی صحت کا کڑا معیار

بخاری شریف کا دوسرا امتیاز یہ ہے کہ اس سے قبل بیشتر محدثین روایات بیان کرنے میں صحت کی

ذمہ داری قبول نہیں کرتے تھے اور سند کے بیان کے ساتھ ہر طرح کی روایات بیان کر دیتے تھے، جس سے روایت کی جانچ پڑتال کی ذمہ داری قاری پر آجاتی تھی کہ وہ سند کو دیکھ کر روایات کا درجہ خود طے کرلے۔ یہ بات اہلِ علم کے حلقہ میں تو ٹھیک ہے مگر عوام کے لیے موزوں نہیں ہے، اس لیے امام بخاریؒ نے روایت کی صحت کا کڑا معیار اور اس کے لیے مضبوط اصول طے کر کے اس بات کی ذمہ داری قبول کی ہے کہ وہ جو روایت اس کتاب میں نقل کریں گے وہ ان کے بیان کردہ اصول کے مطابق بالکل صحیح ہوگی اور اسے بلا تامل قبول کیا جاسکتا ہے۔

مسند اور مرفوع روایات

تیسرا امتیاز اس کتاب کا یہ ہے کہ اس سے قبل عام محدثین کا اسلوب یہ رہا ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں مرفوع، موقوف، مسند، منقطع ہر قسم کی روایات اور ان کے ساتھ آثارِ صحابہؓ و تابعینؒ کو یکجا بیان کر دیتے تھے۔ مگر امام بخاریؒ نے ان میں سے مسند اور مرفوع روایات کو چھانٹ کر الگ پیش کر دیا ہے، اور ان کے ساتھ اگر کسی جگہ موقوف روایات یا آثار کا ذکر کیا ہے تو شاہد اور تابع کے طور پر اسے نقل کیا ہے، اصل روایات مسند اور مرفوع ہی پیش کی ہیں۔ اور اسی مناسبت سے اس کا نام الجامع المسند الصحیح رکھا گیا ہے۔

تراجمِ ابواب

بخاری شریف کا چوتھا اور سب سے اہم امتیاز حضرت امام بخاریؒ کا اجتہاد و استنباط ہے جو ان کے تراجم ابواب کی صورت میں ہے اور ان سے امام بخاریؒ کی اجتہادی شان جھلکتی ہے۔ امام بخاریؒ کے فقہی مذہب کے بارے میں زیادہ قرینِ قیاس قول یہ ہے کہ وہ خود مجتہد مطلق تھے، اگرچہ دیگر بہت سے مجتہدین مطلق کی طرح ان کی فقہ کی ترویج نہیں ہوئی مگر ان کا اجتہادی مرتبہ و مقام یہی ہے، اور انہوں نے ایک ایک حدیث سے کئی کئی مسائل مستنبط کر کے ان پر جو عنوانات قائم کیے ہیں، ان سے ان کے اجتہادی مقام کی بلندی معلوم ہوتی ہے۔ بخاری شریف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس میں پڑھنے اور سمجھنے کی اصل بات حدیث سے ترجمۃ الباب کی مناسبت ہے کیونکہ یہ مناسبت بعض اوقات اتنی دور کی ہوتی ہے کہ اس کے لیے اچھی خاصی ذہنی ورزش کرنا پڑجاتی ہے۔ ہمارے استاذ محترم اور

والد گرامی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے، جو شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد ہیں، ایک بار حضرت مدنیؒ کے حوالہ سے ذکر فرمایا کہ بعض اوقات امام بخاریؒ کے بیان کردہ ترجمۃ الباب اور اس کے تحت لائی گئی حدیث میں مناسبت اس طرز کی ہوتی ہے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا ہے کہ

مگس کو باغ میں جانے نہ دیجو
کہ ناحق خون پروانے کا ہوگا

شاعر کا مطلب یہ ہے کہ شہد کی مکھی باغ میں جائے گی، پھولوں کا رس چوسے گی، اس سے شہد بنائے گی، پھر چھتہ بنا کر شہد اس میں نکالے گی، چھتے سے موم نکلے گی، اس سے موم بتی بنے گی، یہ موم بتی جلے گی تو پروانے آئیں گے اور اس کی آگ میں جل جائیں گے۔ اس لیے پروانے کو جلنے سے بچانے کے لیے بہتر ہے کہ مکھی کو باغ میں جانے ہی نہ دو تاکہ نہ وہ پھولوں کا رس چوسے، نہ شہد بنائے، نہ چھتہ بنے، نہ موم نکلے، نہ موم بتی بنے، نہ جلے اور نہ پروانے کی موت ہو۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ بسا اوقات امتحان اور آزمائش کے لیے بھی دور دراز کی مناسبت والا عنوان کسی روایت پر قائم فرما دیتے ہیں تاکہ پڑھنے والوں کی ذہانت اور قابلیت کا اندازہ ہو جائے۔ اس کے ساتھ ہی چونکہ امام بخاریؒ کا ذوق ہے کہ وہ ایک ایک حدیث سے کئی کئی مسائل مستنبط کرتے ہیں اور پھر مختلف ابواب میں ان کی مناسبت والے جملے نقل کرتے ہیں، اس لیے بسا اوقات بخاری شریف کی بعض روایات کو یکجا تلاش کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور ایک روایت کو جمع کرنے کے لیے کئی ابواب کی ورق گردانی کرنا پڑتی ہے۔ بہر حال یہی بخاری شریف کا کمال اور اس کا حسن ہے اور اس عظیم کتاب کے پڑھنے پڑھانے والوں کو اس کے امتیازات اور خصوصیات کو ہر وقت ذہن میں رکھنا چاہیے۔

بخاری شریف کے آغاز کی روایت

اس کے بعد اب آتے ہیں بخاری شریف کے سبق کے آغاز کی طرف جس کا عام طور پر طریقہ یہ ہے کہ اس کی ابتدائی حدیث پڑھی جاتی ہے اور اس کے بارے میں دو چار ضروری باتوں کے بعد دعا ہوتی ہے۔ میں اس کے مطابق آپ طلبہ میں سے کسی سے یہ روایت سنوں گا، لیکن اس سے قبل یہ

عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حدیث کی روایت کے دو طریقے محدثین کے ہاں مروج چلے آرہے ہیں:

۱. ایک یہ کہ شاگرد حدیث پڑھتا ہے اور استاذ سنتا ہے، ہمارے ہاں عام طور پر یہی طریقہ رائج ہے،

۲. لیکن دوسرا طریقہ یہ ہے کہ استاذ حدیث پڑھتا ہے اور شاگرد سنتے ہیں، یہ طریقہ بھی محدثین میں رائج رہا ہے۔

حضرت امام مالکؒ اور ہشام بن عمارؒ کا واقعہ

اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ کا ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام مالکؒ کا طریقہ یہ تھا کہ ان کے سامنے سینکڑوں تلامذہ کی مجلس میں ایک شاگرد روایت پڑھتا تھا اور امام صاحبؒ کے ساتھ دیگر تلامذہ بھی سنتے تھے۔ مگر قاضی عیاضؒ نے "ترتیب المدارک" میں لکھا ہے کہ امام مالکؒ کے ایک شاگرد ہشام بن عمارؒ کو ایک دن شوق ہوا کہ حضرت استاذ سے احادیث سنیں جس کی انہوں نے استاد محترم سے فرمائش کر دی، امام صاحبؒ نے انکار کیا تو اس نے پھر فرمائش کی جس پر امام مالکؒ نے ہشام بن عمارؒ کو دوسرے شاگرد سے سزا کے طور پر پندرہ چھڑیاں لگوادیں۔ بعد میں امام صاحبؒ کو خیال آیا کہ چھڑیوں کی یہ سزا نہیں دینی چاہیے تھی تو ہشام بن عمارؒ سے معذرت خواہی کی مگر ہشامؒ نے معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ امام مالکؒ نے دوبارہ بات کی تو ہشام بن عمارؒ نے شرط لگا دی کہ اگر آپ پندرہ چھڑیوں کے عوض مجھے پندرہ احادیث سنادیں تو میں آپ کو پندرہ چھڑیوں کی یہ سزا معاف کر دوں گا۔ چنانچہ امام مالکؒ نے ہشام بن عمارؒ کو پندرہ حدیثیں سنائیں، اس پر ہشام بن عمارؒ نے گزارش کی کہ میں نے یہ طریق کار آپ سے حدیثیں سننے کے لیے اختیار کیا ہے، اس لیے میں اس بات کے لیے تیار ہوں کہ آپ مجھے چھڑیاں مارتے جائیں اور ہر چھڑی کے عوض ایک حدیث سناتے جائیں۔

حضرت امام مالکؒ کی بیٹی کا علم

قاضی عیاضؒ نے ایک اور دلچسپ واقعہ بھی لکھا ہے کہ امام مالکؒ جب اپنی مجلس میں تشریف فرما ہوتے تھے تو آپ کے پہلو میں پردے کے پیچھے ایک خاتون محدثہ بیٹھتی تھی، جس کا کام یہ ہوتا تھا کہ اگر سبق کے دوران حدیث پڑھنے والے نے کوئی غلطی کر دی ہے اور امام مالکؒ کی اس طرف توجہ نہیں

ہوئی تو وہ خاتون محدثہ تپائی پر ہاتھ مار کر خبر دار کرتی تھی کہ غلطی ہو گئی ہے۔ اس پر امام مالکؒ شاگرد سے وہ حدیث دوبارہ پڑھواتے اور غلطی چیک ہو جاتی۔ یہ خاتون محدثہ جو استاذ اور شاگرد دونوں کو چیک کرنے کے لیے پردے کے پیچھے بیٹھا کرتی تھی امام مالکؒ کی اپنی بیٹی تھیں، جو اس درجہ کی محدثہ تھیں کہ استاذ اور شاگرد دونوں کو چیک کیا کرتی تھیں۔ قاضی عیاضؒ لکھتے ہیں کہ امام مالکؒ کا بیٹا پڑھ نہیں سکا تھا اس لیے جب کبھی ان کا بیٹا مجلس کے سامنے سے گزرتا تو امام مالکؒ اس کی طرف اشارہ کر کے حسرت سے کہا کرتے تھے کہ دیکھو وہ میرا بیٹا ہے اور یہ میری بیٹی ہے۔

علمِ حدیث میں عورتوں نے بھی بہت کمال حاصل کیا ہے اور بے شمار خواتین نے علمِ حدیث کی خدمت کی ہے، آکسفورڈ میں ہمارے ایک فاضل دوست مولانا ڈاکٹر محمد اکرم ندوی امت کی محدثات کے حالات جمع کرنے میں مصروف ہیں۔ گزشتہ سال انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ اب تک چھ ہزار کے لگ بھگ محدثات کے حالات جمع کر چکے ہیں جو متعدّد ضخیم جلدوں کی صورت میں شائع ہوں گے۔

میرے حدیث کے اساتذہ

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حدیث کی روایت کے دونوں طریقے ہیں اور میں آج دونوں طریقوں پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔ ایک روایت آپ کو سناؤں گا اور ایک روایت آپ سے سنوں گا تاکہ دونوں طریقوں پر ہمارا عمل ہو جائے۔ سنانے کے لیے میں نے جس حدیث کا انتخاب کیا ہے وہ "مسلسل بالاولیۃ" کے عنوان سے معروف ہے مگر اس سے قبل اپنی حدیث کی سند کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں، بحمد اللہ تعالیٰ مجھے مختلف شیوخ سے روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے۔

۱. میرے حدیث کے سب سے بڑے استاذ میرے والد محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم ہیں جن سے میں نے بخاری شریف پڑھی ہے، وہ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد ہیں۔

۲. دوسرے بڑے استاذ عم مکرم حضرت مولانا صوفی عبد الحمید سواتی دامت برکاتہم ہیں جن سے میں نے مسلم شریف پڑھی ہے، وہ حضرت مدنیؒ اور حضرت مولانا ابراہیم بلیاویؒ کے شاگرد ہیں۔

۳. تیسرے استاذ حضرت مولانا عبد القیوم ہزاری دامت برکاتہم ہیں جن سے میں نے ابوداؤد

شریف پڑھی ہے۔

۴. چوتھے استاذ حضرت مولانا جمال احمد بنوی دامت برکاتہم ہیں جو شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے شاگرد ہیں۔

صحاح ستہ کی ساری کتابیں میں نے انہی اساتذہ سے پڑھی ہیں اور ان کی وساطت سے مجھے ہندوستان کے تین بڑے مراکز علماء فرنگی محل، دار العلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور سے بالواسطہ تلمذ کا شرف حاصل ہے۔

میرے حدیث کے شیوخ

جبکہ ان کے علاوہ میرے حدیث کے شیوخ میں درج ذیل اکابر بھی شامل ہیں:

۱. مکہ مکرمہ میں انڈونیشیا سے تعلق رکھنے والے شافعی المذہب محدث گزرے ہیں جو اپنے دور کے مسند العصر تھے، الشیخ المحدث محمد یاسین الفادانیؒ۔ ان کی خدمت میں مولانا منظور احمد چنیوٹی اور مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے استاذ مولانا سیف الرحمن ملی کے ہمراہ مجھے حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ حضرت شیخؒ نے ہمیں متعدّد سلسلات سنائیں جن میں وہ مسلسل بالاولیۃ بھی ہے جو ابھی میں آپ کے سامنے پڑھوں گا، حضرت شیخؒ نے ہمیں زبانی اور تحریری طور پر اپنی اسناد کے ساتھ روایت حدیث کی اجازت دی۔

۲. شام کے معروف محقق اور حنفی محدث الشیخ المحدث عبد الفتاح ابو غدۃؒ کی خدمت میں مجھے لندن میں مولانا عیسیٰ منصوری اور مولانا محمد اکرم ندوی کے ہمراہ حاضری کا شرف حاصل ہوا۔ انہوں نے امام بخاریؒ کی "الادب المفرد" کی ابتدائی چند روایات مجھ سے سنیں اور اپنی تمام اسناد کے ساتھ روایت حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی۔

۳. جبکہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے مجھے تحریری طور پر اپنی اسناد کے ساتھ روایت حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

"مسلسل بالاولیۃ" کی روایت

اس کے بعد میں آپ کے سامنے مسلسل بالاولیۃ روایت پڑھتا ہوں جس میں مجھ سے لے کر

حضرت سفیان بن عیینہؒ تک یہ تسلسل موجود ہے کہ ہر شاگرد نے اپنے استاذ سے پہلی روایت یہی سنی ہے، یہ روایت حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ سے ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الراحمون یرحمھم الرحمٰن تبارک و تعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء" رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ تبارک و تعالیٰ رحم فرماتے ہیں، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

یہ روایت پڑھے جانے کے بعد ایک طالب علم نے بخاری شریف کی پہلی روایت پڑھی، جس پر کہا کہ آپ نے بخاری شریف کی پہلی روایت پڑھی ہے اس پر بہت سی باتیں تو آپ کے استاذ محترم آپ کو بتائیں گے اور یہ انہی کا حق ہے البتہ دو باتیں بطور اشارہ میں بھی آپ سے عرض کر دیتا ہوں۔

تمام معاملات کی بنیاد وحیٔ الٰہی پر

ایک یہ کہ امام بخاریؒ نے "بدء الوحی" سے کتاب کا آغاز کیا ہے، یہ بتانے کے لیے کہ ہمارے تمام معاملات کی بنیاد وحیٔ الٰہی پر ہے، اس کے بعد کتاب الایمان ہوگی، پھر کتاب العلم ہوگی، پھر عبادات، معاملات، اخلاق اور دیگر امور کے ابواب ہوں گے۔ امام بخاریؒ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ایمان و عقیدہ سے لے کر اخلاق و عادات تک ہمارے سارے معاملات وحیٔ الٰہی اور آسمانی تعلیمات کی روشنی میں طے ہوتے ہیں۔ آج کے عالمی ماحول میں یہ بات بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے اس لیے کہ آج کی دنیا میں سب سے بڑا جھگڑا ہی یہ ہے کہ کیا انسانی سوسائٹی اپنے فیصلے خود کرنے میں آزاد ہے یا اس کے لیے آسمانی تعلیمات کی پابندی ضروری ہے؟ اس تنازعہ میں دنیا کی اکثر قومیں ایک طرف ہیں جنہوں نے آسمانی تعلیمات کو عملی اور اجتماعی زندگی سے بے دخل کر دیا ہے، جبکہ ہم مسلمان دوسری طرف ہیں جن کا موقف یہ ہے کہ ہم انفرادی اور اجتماعی زندگی دونوں میں آسمانی تعلیمات اور وحیٔ الٰہی کے پابند ہیں۔ اس پس منظر میں امام بخاریؒ کا یہ اشارہ بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہے کہ انہوں نے ایمان، علم اور عبادت و معاملات کے ابواب سے پہلے بدء الوحی کا باب قائم کر کے بتا دیا ہے کہ ہم مسلمان عقیدہ و علم سمیت ہر معاملہ میں وحیٔ الٰہی سے راہنمائی حاصل کرتے ہیں اور اسی کو پوری نسلِ انسانی کے لیے راہِ نجات سمجھتے ہیں۔

عمل کا نتیجہ نیت کے مطابق

دوسرا اشارہ امام بخاریؒ نے "انما الاعمال بالنیات" کو پہلی روایت کے طور پر بیان کر کے کیا ہے کہ ایمان و عمل کے ہر معاملہ میں اصل دارومدار نیت پر ہے اور ہر عمل کا نتیجہ انسان کی نیت کے مطابق مرتب ہوگا۔ نیت کی مثال یوں سمجھ لیجئے جیسے بیج ہوتا ہے، جس چیز کا بیج آپ زمین میں ڈالیں گے پھل بھی اسی کا حاصل کریں گے اور جیسا بیج ہوگا پھل بھی ویسا ہی ہوگا۔ اس طرح امام بخاریؒ ہمیں یہ بات سمجھا رہے ہیں کہ بخاری شریف کے سبق کے آغاز سے قبل اپنی نیتوں کو ٹٹول لو اور ان کی اصلاح کر لو، کیونکہ نیت صحیح ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی رضا مطلوب ہوگی تو ثمرہ اس کے مطابق حاصل ہوگا۔ اور اگر خدانخواستہ نیت میں کوئی خرابی ہے تو اچھے سے اچھا عمل بھی بیکار ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں خلوصِ نیت، توجہ اور دلجمعی کے ساتھ حدیثِ نبویؐ کا علم حاصل کرنے اور اس کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

وکالت اسلامی نقطۂ نظر سے

(روزنامہ پاکستان، لاہور - ۲۶ جنوری ۲۰۰۸ء)

...... یہ کہنا اسلامی تعلیمات سے مطابقت نہیں رکھتا کہ اسلام میں وکالت کی گنجائش نہیں ہے، اس لیے کہ حدیث وفقہ کی کتابوں میں وکالت کے عنوان سے مستقل ابواب موجود ہیں جن میں وکالت کی شرعی حدود اور اس سے متعلقہ احکام تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔

بخاری شریف میں وکالت سے متعلق روایات

حدیثِ نبویؐ کی سب سے مستند کتاب بخاری شریف میں وکالت کے بارے میں ایک مستقل باب موجود ہے جس میں امام بخاریؒ نے وکالت کے مختلف پہلوؤں پر پندرہ سے زائد احادیثِ نبویہؐ پیش فرمائی ہیں۔ البتہ ان میں وکالت کا وسیع تر مفہوم میں ذکر کیا گیا ہے: تجارت میں نمائندہ مقرر کرنے کو بھی وکالت کہا گیا ہے، معاملات کے دیگر شعبوں میں نمائندگی کو بھی وکالت سے تعبیر کیا گیا ہے، اور نکاح وغیرہ میں نمائندگی کو بھی وکالت قرار دیا گیا ہے۔ ان میں سے چند روایات درج کی جارہی ہیں:

- حجۃ الوداع میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے قربانی کے جانور ذبح کرنے کے لیے حضرت علیؓ کو وکیل بنایا اور ہدایت فرمائی کہ قربانی کے جانوروں کو ذبح کر کے ان کے چمڑوں وغیرہ کو صدقہ کر دیں۔
- حضرت بلالؓ جناب نبی کریمؐ کے گھر کے معاملات یعنی اخراجات وغیرہ کے نگران اور آپؐ کی طرف سے وکیل تھے۔ انہوں نے ایک بار آنحضرتؐ کی خدمت میں عمدہ کھجوریں پیش کیں، آپؐ نے پوچھا یہ کہاں سے آئی ہیں؟ حضرت بلالؓ نے جواب دیا کہ میرے پاس عام کھجوریں تھیں میں نے وہ دو صاع دے کر ان کے بدلے میں ایک صاع عمدہ کھجوریں لی ہیں تاکہ آپ کو اچھی کھجوریں کھلا سکوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تو تم نے سود کا سودا کیا ہے۔ ایسی سودی تجارت نہ کیا کرو، اگر ایسا تبادلہ ضروری ہو تو نقدی کے عوض بیچ کر اس کے عوض

دوسری چیز لے لیا کرو۔

- نبی کریمؐ کی خدمت میں زنا کا ایک مقدمہ پیش ہوا جس میں مرد نے اعتراف کر لیا جبکہ عورت سے دریافت کرنے کے لیے آپؐ نے اس کے قبیلے کے سردار حضرت انیسؓ کو نمائندہ بنایا کہ اس سے جا کر پوچھو، اگر وہ جرم کا اعتراف کر لے تو میری طرف سے اسے سنگسار کر دو۔
- حضرت عمرؓ نے اپنی طرف سے صدقات کی تقسیم کے لیے جن لوگوں کو اپنا وکیل مقرر کر رکھا تھا، ان میں ان کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی تھے۔
- مسند احمدؒ میں حضرت عروۃ البارقیؓ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہؐ نے انہیں قربانی کے لیے بکری خریدنے کی غرض سے ایک دینار دے کر بھیجا۔ انہوں نے ایک دینار میں دو بکریاں خریدیں، ایک بکری پھر ایک دینار میں بیچ دی۔ اور پھر بکری اور دینار لا کر آپؐ کی خدمت میں پیش کر دیے۔ آنحضرتؐ نے بکری کو ذبح کرنے اور دینار کو صدقہ کرنے کا حکم دیا۔
- نبی کریمؐ نے ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے ساتھ نکاح کے لیے عمرو بن امیہ کو اپنا وکیل مقرر کیا، ابوداؤد شریف کی روایت کے مطابق یہ نکاح ان کی وکالت سے ہوا۔ حضرت میمونہؓ سے نکاح کے لیے حضورؐ نے ابو رافعؓ کو وکیل بنایا، جبکہ حضرت ام سلمہؓ کے ساتھ آپؐ کے نکاح میں ام المؤمنین ام سلمہؓ کی وکالت ان کے فرزند عمر بن ابی سلمہؓ نے فرمائی۔

چنانچہ اسلامی تعلیمات میں وکالت کا لفظ وسیع تر مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ اس میں نکاح، تجارت اور دیگر معاملات میں نمائندگی کو بھی وکالت ہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ہمارے خیال میں کسی کی نمائندگی کے دیگر بہت سے پہلوؤں کے ساتھ ساتھ مختارِ عام یا مختارِ خاص کی جو صورتیں ہمارے مروجہ قانونی نظام میں پائی جاتی ہیں، اسلام نے انہیں بھی وکالت ہی کے ضمن میں شمار کیا ہے۔

”وکیلِ خصومت“ کا تصور اور مثالیں

وکالت کی جو صورت ایک باقاعدہ پیشے کے طور پر ہمارے ہاں مروج ہے اور ہمارے عدالتی نظام کا حصہ ہے، اسے فقہ اسلامی کی اصطلاح میں ”وکیلِ خصومت“ کہا جاتا ہے۔ یعنی کسی تنازع یا مقدمہ

میں کسی فریق کی نمائندگی کر کے اس کے موقف کو بہتر انداز میں پیش کرنا، فقہ کی کم و بیش تمام بڑی کتابوں میں وکالت کی اس شکل کے جواز کا ذکر کیا گیا ہے، اس کی مختلف صورتوں کے احکام وضوابط بیان کیے گئے ہیں اور اس وکالت پر اجرت لینے کو بھی جائز قرار دیا گیا ہے۔ جبکہ وکالت کے اس قسم کے جواز کے لیے بہت سے فقہاء کرامؒ نے بخاری شریف کی یہ روایت پیش کی ہے کہ جب نبوت کا جھوٹا دعوے دار مسیلمہ کذاب اپنے قبیلے کا ایک وفد لے کر مدینہ منورہ آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیشکش کی کہ اگر وہ اپنے بعد اسے اپنا جانشین نامزد کر دیں تو وہ یعنی مسیلمہ جناب نبی کریمؐ کی اطاعت قبول کرنے کے لیے تیار ہے۔ جناب نبی کریمؐ اپنی قیام گاہ تشریف لائے اور کھڑے کھڑے یہ فرمایا کہ وہ اگر ان سے کھجور کی ایک ٹہنی کا مطالبہ کرے گا تو میں اسے وہ بھی دینے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ یہ فرما کر آپؐ نے حضرت ثابت بن قیس انصاریؓ کو، جو خطیب رسول اللہؐ کہلاتے تھے، فرمایا کہ مسیلمہ کے ساتھ باقی گفتگو میری طرف سے یہ کریں گے۔ گویا آنحضرتؐ نے مسیلمہ کے سامنے اپنے موقف کی وضاحت کے لیے حضرت ثابت بن قیسؓ کو اپنا نمائندہ اور وکیل بنایا۔

امام بیہقیؒ نے السنن الکبریٰ میں بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ مختلف تنازعات میں اپنی طرف سے وکالت کے لیے اپنے بھائی حضرت عقیلؓ کو بھیجا کرتے تھے۔ اور جب وہ زیادہ بوڑھے ہو گئے تو پھر حضرت علیؓ نے ان کی جگہ اپنے ایک بھتیجے عبداللہ بن جعفرؓ کو اپنا وکیل مقرر کر دیا۔

مروجہ نظامِ وکالت کا جواز اور تقاضے

اس قسم کی روایات کی بنیاد پر فقہاء کرام نے ''وکیلِ خصومت'' کے جواز کا فتویٰ دیا ہے اور اس کے لیے اجرت لینے کو بھی درست قرار دیا ہے۔ البتہ جس طرح دوسرے شعبہ ہائے زندگی میں اسلام کی اخلاقیات کا ایک امتیازی دائرہ ہے اور حلال و حرام کے اصول وضوابط ہیں جن کا لحاظ کیے بغیر کسی بھی شعبے کی مروجہ صورتوں کو مکمل طور پر اسلامی قرار نہیں دیا جا سکتا، اسی طرح وکالت کے باب میں بھی اسلامی اخلاقیات کا دائرہ دوسرے نظاموں سے مختلف اور ممتاز ہے۔ اس شعبے کو مکمل طور پر اسلامی شکل دینے کے لیے ان اخلاقیات کی پابندی کا اہتمام بہر حال ضروری قرار پائے گا۔

مثال کے طور پر ایک پہلو کا ذکر ضروری سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ کسی مقدمے میں ایک وکیل کسی بھی فریق کی طرف سے اس کے موقف کی وضاحت کے لیے پیش ہو سکتا ہے اور اسے اس پر معروف

طریقے سے فیس لینے کا بھی حق حاصل ہے۔ لیکن جس شخص یا فریق کے بارے میں وکیل کو خود یقین ہو جائے کہ اس نے فی الواقع جرم کیا ہے تو کیا اسے اس جرم کی سزا سے بچانے کے لیے اس کا نمائندہ بننا اور اسے سزا سے بچنے کے لیے از خود مختلف حیلے اور طریقے سکھانا جرم میں معاونت نہیں ہے؟ قرآن کریم نے سورۃ المائدہ کی آیت نمبر ۲ میں ہدایت کی ہے کہ بر و تقویٰ (نیکی اور پرہیزگاری) میں ایک دوسرے کی معاونت کرو لیکن اثم و عدوان (گناہ اور ظلم) میں ایک دوسرے کے معاون نہ بنو۔ اس لیے ایک شخص کے مجرم ہونے کا یقین ہو جانے کے بعد اسے بچانے کی کوشش کیا جرم میں اس کے ساتھ تعاون نہیں ہے اور کیا یہ طرز عمل سوسائٹی میں جرائم میں اضافے کا سبب نہیں ہے؟

اس ایک پہلو پر اپنے تحفظات کے واضح اظہار کے ساتھ ہم اصولی طور پر وکالت کے پیشے کو اسلامی نقطۂ نظر سے ایک جائز پیشہ سمجھتے ہیں اور اگر القاعدہ اور طالبان کے نام پر کسی نے اسے غیر اسلامی قرار دیا ہے تو اس کی حمایت کے لیے ہم تیار نہیں ہیں۔

بخاری شریف اور اہلِ سنت کے علمی مسلّمات

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۸ستمبر ۲۰۰۸ء)

گزشتہ ماہ کے دوران مختلف شہروں کے دینی مدارس میں ختمِ بخاری شریف کی تقریبات میں حاضری اور بخاری شریف کی آخری حدیث کے حوالہ سے معروضات پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، ان تمام مجالس میں ہونے والی گفتگو کا مجموعی خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

اعمال کی حفاظت بھی ضروری ہے

بعد الحمد والصلوۃ۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے بخاری شریف کا آغاز اس روایت سے کیا ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے، اور آخری حدیث یہ لائے ہیں کہ قیامت کے دن اقوال و اعمال کا وزن ہو گا۔ اس سے امام بخاریؒ یہ اشارہ دے رہے ہیں کہ کسی بھی عمل کا ابتدائی مرحلہ اس کی نیت اور ارادہ ہوتا ہے مگر اس کی آخری منزل قیامت کے دن وزنِ اعمال ہے۔ درمیان میں بہت سے مراحل آتے ہیں، اگر ایک مسلمان کا عمل نیت کے اعتبار سے صحیح ہے اور وزنِ اعمال کے مرحلہ تک محفوظ رہا تو وہ اس کے کام آئے گا، لیکن اگر درمیان کے کسی مرحلہ میں ہی ضائع ہو گیا تو وہ عمل انسان کے کسی کام کا نہیں ہے۔ اس لیے کہ جہاں بہت سے اعمال انسان کے لیے اجر و ثواب اور ترقی درجات کا باعث بنتے ہیں وہاں ایسے اعمال بھی ہیں جو اچھے اعمال کو ضائع کر دینے والے وائرس ثابت ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے "حبط اعمال" اور "بطلان اعمال" کے حوالہ سے بہت سی باتوں کا ذکر کیا ہے جو انسان کے اچھے اعمال کی بربادی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ اس لیے امام بخاری کی اس ترتیب میں ہمارے لیے یہ اشارہ موجود ہے کہ جہاں عمل کی قبولیت کے لیے نیت کا صحیح ہونا ضروری ہے وہاں اس کے اصل وقت میں کام آنے اور وزنِ اعمال تک اس کے باقی رہنے کے لیے اعمال کی حفاظت بھی ضروری ہے۔

بخاری شریف آج کے عالمی تناظر میں

امام بخاری رحمہ اللہ نے تصحیحِ نیت کی روایت کے بعد بدء الوحی سے کتاب کا آغاز کیا اور اس کے بعد ایمان و عقائد، اعمال و عبادات، معاملات و اخلاقیات، نکاح و طلاق، تجارت و معیشت، امارت و جہاد اور انفرادی و اجتماعی زندگی کے تمام شعبوں کے بارے میں روایات پیش کرتے چلے گئے ہیں۔ اس حوالہ سے دو باتیں آج کے عالمی تناظر میں خاص طور پر قابل توجہ ہیں:

آسمانی تعلیمات اور مغربی فلسفہ

ایک یہ کہ امام بخاریؒ یہ فرما رہے ہیں کہ ہمارے تمام تر معاملات کی بنیاد وحیٔ الٰہی اور آسمانی تعلیمات پر ہے۔ جبکہ آج کا مغربی فلسفہ کہتا ہے کہ انسانی سوسائٹی اپنے مسائل و معاملات خود حل کرنے کی اہلیت رکھتی ہے، اسے کسی بیرونی ڈکٹیشن کی ضرورت نہیں ہے، اور نہ ہی وہ وحی الٰہی اور آسمانی تعلیمات سے راہنمائی حاصل کرنے کی محتاج ہے۔ اس کے برعکس امام بخاریؒ یہ بتا رہے ہیں کہ عقائد و ایمانیات سے لے کر آداب و اخلاق تک ہم ہر معاملہ میں وحیٔ الٰہی اور آسمانی تعلیمات کے نہ صرف محتاج ہیں بلکہ اس کے پابند بھی ہیں۔

اسلام انسانی عقل کی اہمیت سے انکار نہیں کرتا، عقل شخصی ہو یا اجتماعی اس کا احترام کرتا ہے اور اس کی اہمیت و افادیت کو پوری طرح تسلیم کرتا ہے، لیکن وہ وحیٔ الٰہی اور آسمانی تعلیمات کی متبادل نہیں ہے۔ انسانی عقل کی جہاں انتہا ہوتی ہے وہاں سے وحیٔ الٰہی کا آغاز ہوتا ہے، عقلِ انسانی بہت کچھ دیتی ہے لیکن اس کی کسی بات کو حتمی قرار نہیں دیا جا سکتا، اس لیے کہ عقل اپنی طرف سے کچھ نہیں دیتی، وہ ایک اچھا آلہ ہے جو میسر معلومات و مشاہدات سے نتیجہ نکال دیتی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے ایک معیاری کمپیوٹر ہوتا ہے جو اپنی تمام تر خوبی اور کمال کے باوجود خود کچھ نہیں دیتا بلکہ جو پروگرام اس میں فیڈ کیا جاتا ہے اس کے مطابق رزلٹ دیتا ہے۔ دنیا کا کوئی کمپیوٹر اس میں فیڈ کیے ہوئے پروگرام سے ہٹ کر کچھ نہیں دے پاتا۔ اسی طرح انسانی عقل بھی خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی اسے فیصلہ کرتے وقت جو معلومات اور مشاہدات میسر ہوتے ہیں اس کے مطابق نتیجہ فراہم کر دیتی ہے۔ اب انسانی معلومات، مشاہدات، محسوسات، تجربات اور مدرکات کو کسی ایک جگہ قرار تو نہیں ہے بلکہ ان میں مسلسل اضافہ

ہوتا رہتا ہے اور قیامت تک مسلسل اضافہ ہوتا رہے گا۔ اس لیے عقل کے فیصلے اور اس کے غور وفکر کے نتائج بھی مختلف ہوتے رہتے ہیں اور قیامت تک مختلف ہوتے رہیں گے۔ اس وجہ سے انسانی عقل کے کسی فیصلے کو حتمی اور آخری قرار دینا ممکن ہی نہیں ہے۔

جبکہ وحی جو بات کہتی ہے وہ یقین اور علم کا درجہ رکھتی ہے اس لیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اور اس کا علم ہر حال میں یکساں اور کائنات کے تمام امور پر محیط ہے۔ لہٰذا انسانی سوسائٹی یقین اور علمِ حقیقی کی منزل سے ہمکنار ہونے کے لیے کسی لمحہ بھی وحیِ الٰہی سے بے نیاز نہیں ہو سکتی، اور امام بخاریؒ نے انسانی زندگی سے متعلقہ مسائل و روایت بیان کرنے سے پہلے بدء الوحی سے کتاب کا آغاز کر کے یہ بتایا ہے کہ ہمارے تمام معاملات و مسائل کی بنیاد وحی پر ہے اور ہم قدم قدم پر آسمانی تعلیمات کے محتاج ہیں۔

آسمانی تعلیمات اور شعبہ ہائے زندگی

دوسری بات یہ کہ بخاری شریف کو ''الجامع الصحیح'' کہا جاتا ہے جس کا مطلب اہلِ علم کے نزدیک یہ ہے کہ یہ کتاب علمِ حدیث کی تمام اصناف کو جامع ہے۔ لیکن اس کا ایک مفہوم اور بھی ہے کہ یہ کتاب انسانی زندگی اور انسانی سوسائٹی کے تمام مسائل اور شعبوں کو محیط ہے۔ میں بخاری شریف کا اختتام کرنے والے طلبہ سے، جو آج کے بعد رسمی طور پر فضلاء اور علماء کہلائیں گے، یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ وہ بخاری شریف کے ابواب کی فہرست پر ایک بار پھر نظر ڈال لیں، اور اس کے بعد اس بات پر غور کریں کہ انسانی زندگی کا کون سا شعبہ اور کون سا مسئلہ ہے جس کے بارے میں امام بخاریؒ نے عنوان قائم نہیں کیا اور اس کے بارے میں قرآن کریم کی آیات اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پیش نہیں کیے۔

بخاری شریف کی جامعیت کا یہ پہلو آج کے تناظر میں بہت زیادہ توجہ کے قابل ہے اس لیے کہ آج کا عالمی فلسفہ یہ کہتا ہے کہ مذہب اور دین کا دائرہ صرف عقائد و عبادات یا زیادہ سے زیادہ اخلاقیات تک محدود ہے، اس سے زیادہ دین و مذہب کا انسانی زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے، جبکہ عقائد و عبادات اور اخلاقیات کے حوالہ سے بھی مذہب و دین ایک اختیاری چیز ہے کوئی شخص اسے اختیار کرے یا نہ کرے سوسائٹی کی اجتماعیت کا اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ امام بخاریؒ اپنی کتاب کی

جامعیت کے ذریعے یہ بتا رہے ہیں کہ دین و مذہب کا انسانی زندگی کے ہر معاملہ سے تعلق ہے، اور یہ تعلق محض اختیاری نہیں ہے کیونکہ آسمانی تعلیمات کی خلاف ورزی پر دنیا اور آخرت دونوں جگہ سزا و جزا اور دیگر ثمرات کا تعین کیا گیا ہے۔

بخاری شریف کا آغاز اور اختتام

امام بخاریؒ نے الجامع الصحیح کے آغاز میں ایمانیات کا ذکر کیا ہے اور اس کا اختتام بھی ایمانیات پر کیا ہے۔ آغاز میں کتاب الایمان ہے اور آخری کتاب "كتاب الرد على الجهمية وغيرهم التوحيد" ' کے عنوان سے ہے۔ دونوں کا تعلق ایمان و عقیدہ سے ہے، فرق صرف یہ ہے کہ

- کتاب الایمان میں ایمانیات کی فہرست بیان کی ہے کہ کون کون سے امور ایمان و عقائد میں شامل ہیں۔ اور امام بخاریؒ چونکہ محدثین کے اصول پر اعمال کو ایمان کے حصے کے طور پر بیان کرتے ہیں، اس لیے انہوں نے کتاب الایمان میں وہ روایات زیادہ بیان کی ہیں جن میں اعمال کو شعب الایمان کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔
- مگر آخری کتاب میں، جو جہمیہ اور معتزلہ وغیرہ کے رد میں ہے، عقائد کی تعبیر و تشریح کے اصول ذکر فرمائے ہیں۔ اور چونکہ اس دور میں عقائد کی تعبیر و تشریح کے حوالہ سے زیادہ تر صفاتِ باری تعالیٰ پر بحث ہوتی تھی، اس لیے امام بخاریؒ نے وہ روایات کثرت کے ساتھ اس باب میں ذکر کی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا تذکرہ موجود ہے۔

بخاری شریف کا مجموعہ تناظر

لیکن میں "كتاب الرد على الجهمية وغيرهم التوحيد" کے آخری باب اور آخری حدیث کے بارے میں کچھ عرض کرنے سے پہلے اس کتاب کے مجموعی تناظر کے بارے میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

توحید کا صرف اسلامی تصور

ایک تو یہ بات قابل توجہ ہے کہ امام بخاری نے کتاب الایمان میں توحید کے اثبات پر دلائل دیے ہیں لیکن آخری باب میں جہمیہ اور معتزلہ کی توحید کا رد کیا ہے۔ گویا آغاز میں توحید کا اثبات ہے اور آخر

میں توحید کا رد ہے جس سے امام بخاریؒ یہ بتا رہے ہیں کہ توحید اور اس کی تعبیرات وہ قابل قبول نہیں ہیں جو لوگ اپنے ذہن اور عقل و فلسفہ کی بنیاد پر طے کر لیں بلکہ توحید اور اس کے تمام متعلقات کا تعین بھی وحی الٰہی کی بنیاد پر ہو گا اور وہی توحید قابل قبول ہو گی جو قرآن و سنت کی تشریحات کی روشنی میں سمجھی جائے گی۔

عقائد کا تعین قرآن و سنت اور آثارِ صحابہ کی بنیاد پر

دوسری بات جس کی طرف علماء کرام اور طلبہ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں عقائد و ایمانیات کے تعین کے لیے بھی اور "كتاب الرد على الجهمية وغيرهم التوحيد" میں عقائد کی تعبیرات و تشریحات میں بھی دلائل کے طور پر تین چیزیں پیش کی ہیں: پہلے قرآن کریم کی آیات کا حوالہ دیا ہے، پھر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بیان کیے ہیں اور اس کے بعد جہاں ضرورت پڑی ہے وضاحت کے لیے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے اقوال و آثار پیش کیے ہیں۔ اور اپنے اس طرز عمل کے ساتھ یہ بتایا ہے کہ عقائد و ایمانیات کا تعین بھی قرآن و سنت اور آثار صحابہؓ کی بنیاد پر ہو گا، اور ان کی تعبیر و تشریح بھی ان تین دلائل کی بنیاد پر قابلِ قبول ہو گی۔

اعتزالِ قدیم اور اعتزالِ جدید میں مماثلت

یہ بات بھی آج کے حالات میں بہت زیادہ توجہ کے قابل ہے اس لیے کہ جس طرح اعتزالِ قدیم نے یہ موقف اختیار کر رکھا تھا کہ جو بات عقل اور سمجھ میں نہیں آئے گی وہ قرآن کریم میں بھی ہو تو اس کی تاویل کریں گے اور اگر تاویل ممکن نہ ہو تو انکار کر دیں گے، اسی طرح اعتزالِ جدید نے بھی یہ موقف طے کر لیا ہے کہ عقائد و ایمانیات کے باب میں صرف وہ بات قبول ہو گی جو قرآن کریم میں صراحتاً مذکور ہو گی، اور جو بات قرآن کریم میں صراحت کے ساتھ موجود نہیں وہ عقیدے کے درجے میں قابلِ قبول نہیں ہے۔ یہ آج کے اعتزال جدید کا موقف ہے اور اس کی بنیاد پر ہمارے متجددین اور بہت سے دانشور اسلامی عقائد و احکام کی نئی تعبیر و تشریح میں شب و روز مصروف دکھائی دیتے ہیں۔ یہ بات انتہائی گمراہ کن ہے اور میں اس سلسلہ میں امام بخاریؒ کے اسلوب و ترتیب کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ امام بخاریؒ نے عقائد کے ثبوت اور ان کی تعبیر و تشریح دونوں میں قرآن کریم کے ساتھ

سنتِ نبویؐ اور آثارِ صحابہؓ کو ماخذ اور دلائل کے طور پر پیش کیا ہے۔

اہل السنۃ والجماعۃ کی بنیاد

اور اہل السنۃ والجماعۃ کی اصطلاح کا بھی یہی مطلب ہے، ہم اہل السنۃ والجماعۃ کہلاتے ہیں اور یہ کوئی ٹائٹل یا تمغہ نہیں ہے جو کسی حکومت نے ہماری خدمات کے صلے میں عطا کیا ہو، بلکہ یہ ہمارا علمی تعارف ہے کہ ہم قرآن کریم کی تعبیر و تشریح میں سنتِ رسولؐ اور آثارِ صحابہؓ دونوں کو حجت مانتے ہیں۔

اس سلسلہ میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے ایک ارشاد کا حوالہ بھی دینا چاہوں گا کہ

۱. اگر حدیث و سنت کی بات ہے تو "علی الراس والعین" (سر آنکھوں پر)،

۲. اگر اقوال و آثارِ صحابہ کرامؓ کی بات ہے تو ہم ان میں سے انتخاب کریں گے اور ان سے باہر نہیں جائیں گے،

۳. اور اگر بات ان کے بعد کے لوگوں کی ہے تو "ہم رجال و نحن رجال" (یعنی جیسے انہوں نے اجتہاد کیا ہم بھی کریں گے)۔ امام صاحب چونکہ تابعی ہیں اس لیے اپنے معاصر لوگوں کے بارے میں فرما رہے ہیں کہ "ہم رجال و نحن رجال"۔

جبکہ صحابہ کرامؓ کے اقوال و آثار کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم ان کے دائرہ سے باہر نہیں جائیں گے اور کسی مسئلہ میں صحابہ کرامؓ کے اقوال مختلف ہونے کی صورت میں انہی سے انتخاب کریں گے۔ اہل السنۃ والجماعۃ کی بنیاد اسی اصول پر ہے اور آج کے دور میں دین کی تعبیر و تشریح کے نئے فتنوں کا سامنا کرنے کے لیے اس اصول کو ہر وقت سامنے رکھنا ضروری ہے۔

سنتِ رسولؐ اور آثارِ صحابہؓ کی بنیاد پر قرآن کریم کی تشریح

میں اس موقع پر یہ بھی عرض کرنا چاہوں گا کہ قرآن کریم کی تعبیر و تشریح، سنتِ رسولؐ اور آثارِ صحابہؓ کی بنیاد پر کرنے کا یہ اصول بعد میں طے نہیں ہوا بلکہ خود حضرات صحابہ کرامؓ کے دور میں اصول و اسلوب یہی تھا جس کے لیے ان دو روایات کا ذکر کرنا چاہوں گا جو امام مسلمؒ نے صحیح مسلم کی کتاب الایمان میں بیان فرمائی ہیں۔

حضرت یحییٰ بن یعمرؒ کی روایت

ایک روایت حضرت یحییٰ بن یعمرؒ کی ہے جو فرماتے ہیں کہ ہمارے علاقے میں بعض لوگوں نے تقدیر کا انکار شروع کر دیا تو میں نے اور میرے ایک ساتھی نے حج بیت اللہ کے لیے جاتے ہوئے یہ ارادہ کر لیا کہ اگر کسی صحابیٔ رسول سے ملاقات ہوگئی تو ان سے اس کے بارے میں دریافت کریں گے۔ حسنِ اتفاق سے ہمیں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی زیارت و ملاقات نصیب ہوگئی اور ہم نے ان سے عرض کیا تو انہوں نے جواب میں دو باتیں ارشاد فرمائیں: ایک تو یہ کہا کہ جو لوگ تقدیر کا انکار کرتے ہیں انہیں میری طرف سے پیغام دے دیں کہ جب تک وہ تقدیر پر ایمان نہیں لائیں گے میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے اور میں ان سے برأت کا اعلان کرتا ہوں۔ دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ میں نے خود جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، آپؐ نے حدیثِ جبریل میں جب ایمانیات کا ذکر کیا تو اس میں فرمایا "ان تؤمن بالقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ" یہ بھی ایمان کا حصہ ہے کہ تم تقدیر پر ایمان لاؤ۔

حضرت یزید الفقیرؒ کی روایت

دوسری روایت امام مسلمؒ نے حضرت یزید الفقیرؒ کی بیان کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ہم کچھ دوست تھے جو خوارج کی اس بات سے متاثر ہوگئے تھے کہ جب قرآن کریم کہتا "کلما ارادوا ان یخرجوا منھا اعیدوا فیھا" کہ جہنم والے جب بھی جہنم سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو اسی میں واپس لوٹا دیے جائیں گے۔ تو پھر شفاعت کے اس عقیدے کی کوئی حقیقت نہیں ہے کہ بہت سے لوگوں کی شفاعت کی وجہ سے جہنم سے لوگ نکال کر جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ لیکن جب ایک حج یا عمرہ کے موقع پر ہمارا گزر مدینہ منورہ سے ہوا تو ہم نے مسجد نبویؐ میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ کو ایک مجلس میں شفاعت کی بات کرتے ہوئے سنا۔ یزید الفقیرؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ سے سوال کر دیا کہ قرآن کریم تو یہ کہتا ہے کہ جہنم سے کسی کو نکلنے نہیں دیا جائے گا تو آپ کس شفاعت کی بات کر رہے ہیں جس کی وجہ سے لوگ جہنم سے نکل کر جنت میں داخل ہوں گے؟ حضرت جابرؓ نے اس کے جواب میں شفاعت کی وہ طویل روایت بیان کی جو بخاری شریف اور مسلم شریف دونوں میں موجود ہے۔ اور حضرت جابرؓ نے کہا کہ میں نے شفاعت کی یہ ساری تفصیلات خود جناب رسول اللہ سے سنی ہیں۔ یزید الفقیرؒ کہتے ہیں کہ ہم

نے حضرت جابرؓ کی زبان سے یہ روایت سن کر آپس میں مشورہ کیا اور کہا کہ یہ بزرگ صحابیؓ آخر جھوٹ تو نہیں بولتے، چنانچہ ہم میں سے ایک شخص اپنی بات پر اڑا رہا اور باقی سب ساتھیوں نے غلط عقیدے سے توبہ کر لی۔

یہ دونوں واقعات صحابہ کرامؓ کے دور کے ہیں، دونوں میں عقیدہ کی بات ہے، عقیدہ کی اصلاح کے لیے صحابہ کرامؓ سے رجوع کیا گیا، صحابہ کرامؓ نے عقیدہ کے ثبوت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی پیش کیا اور پوچھنے والوں کا اطمینان ہو گیا۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا یہی اسلوب ہے، یہی حق ہے اور آج کے فتنوں کے دور میں اسی اسلوب کی طرف لوگوں کو توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔

وزنِ اعمال سے متعلق معتزلہ کے عقیدہ کا رد

امام بخاریؒ نے اس میں معتزلہ وغیرہ کے اس قول کا رد کیا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ وزنِ اعمال نہیں ہو گا۔ اور اس کی ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اعمال جواہر میں سے نہیں بلکہ اعراض میں سے ہیں اور اعراض کا وزن نہیں کیا جا سکتا، اعراض کا کوئی الگ وجود نہیں ہے کہ انہیں تولا جا سکے۔

یہ بات اُس دور کے سائنسی مشاہدات کی روشنی میں درست ہو سکتی ہے کہ اس دور میں اعراض کو تولنے کا کوئی نظام موجود نہیں تھا، لیکن آج تو خود سائنس اعراض کو تول رہی ہے اور ایسے سائنسی آلات ہر طرف دکھائی دے رہے ہیں جو اعراض و کیفیات کا وزن کرتے ہیں اور ان کا ریکارڈ رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر اب سے کچھ عرصہ پہلے تک یہ محاورہ بولا جاتا تھا کہ "اذا تلفظ فتلاشی" لفظ جب منہ سے بول دیا جاتا ہے تو وہ لاشیٔ ہو جاتا ہے یعنی اس کا کوئی وجود باقی نہیں رہتا۔ لیکن آج کے آڈیو سسٹم نے اس محاورے کو غلط ثابت کر دیا ہے، لفظ بولے جانے کے بعد نہ صرف باقی رہتا ہے بلکہ مستقل طور پر محفوظ بھی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ایک دور میں کہا جاتا تھا کہ انسان جب ایک عمل یا حرکت کرتا ہے تو وہ فضا میں تحلیل ہو جاتا ہے اور اس کا کوئی نشان موجود نہیں رہتا لیکن آج کا ویڈیو سسٹم اس تصور کو جھٹلا رہا ہے، ہم ایک کام کرتے ہیں اور ویڈیو سسٹم کے ذریعے پھر کئی بار خود کو وہ کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں اور وہ عمل ریکارڈ میں محفوظ ہو جاتا ہے۔

اس لیے امام بخاریؒ فرما رہے ہیں کہ قول اور عمل دونوں تولے جائیں گے، یہ بات اگر ایک صدی قبل کے سائنسی مشاہدات و تجربات کے دائرے میں قابلِ فہم نہیں تھی تو آج کی سائنس اس کو خود ایک

حقیقت کے طور پر پیش کر رہی ہے اور میں یہ عرض کروں گا کہ وحیِ الٰہی کی بہت سی باتیں جو آج کے سائنسی مشاہدات کے دائرہ میں سمجھ میں نہیں آ رہیں، جوں جوں سائنس کے تجربات ومشاہدات بڑھتے جائیں گے وہ بھی یقیناً سمجھ میں آتی جائیں گی۔

اسی لیے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ عقائد وایمانیات کی بنیاد سائنس اور عقل پر نہیں بلکہ وحیِ الٰہی پر ہے۔ اسی وجہ سے امام بخاریؒ اس بحث میں سرے سے نہیں پڑے کہ عقل وفلسفہ کیا کہتے ہیں اور سائنس اور مشاہدہ کیا کہتا ہے۔ انہوں نے عنوان قائم کیا ہے کہ قیامت کے دن انسانوں کے اعمال کا وزن ہوگا اور دلیل کے طور پر قرآن کریم کی آیت اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پیش کیا ہے۔ قرآن کریم کی آیت میں ارشاد ربانی ہے کہ ہم قیامت کے دن انصاف کے لیے ترازو رکھیں گے۔ اور جناب نبی اکرمؐ کا ارشاد گرامی یہ ہے کہ دو کلمے (سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم) جو زبان پر ہلکے پھلکے ہیں قیامت کے دن ترازو پر بہت وزنی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کو یہ کلمے محبوب ہیں۔ یہ روایت امام بخاریؒ نے دو جگہ اور بھی ذکر کی ہے۔ ایک جگہ تو ذکر کی فضیلت میں، اور دوسری جگہ اس مسئلہ کے پس منظر میں کہ اگر کوئی شخص قسم اٹھالے کہ وہ کلام نہیں کرے گا تو کیا اللہ تعالیٰ کے ذکر کا کوئی کلمہ مثلاً سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر وغیر ذلک پڑھنے سے حانث ہوگا یا نہیں؟

فقہاء کرامؒ نے اس میں اختلاف کیا ہے، بعض فقہاء کا کہنا ہے کہ نماز کلام کرنے سے ٹوٹ جاتی ہے مگر سبحان اللہ اور اس قسم کا جملہ کہنے سے نہیں ٹوٹتی، اس لیے ایسے جملوں پر کلام کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اور بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ چونکہ ان جملوں کو نبی اکرمؐ نے کلمہ قرار دیا ہے، اور کلام کلمات ہی سے مرکب ہوتا ہے، اس لیے یہ جملے کہنے سے بھی قسم اٹھانے والا حانث ہو جائے گا۔ امام بخاریؒ نے اس باب میں ''کلمتان'' کے لفظ سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ذکر اللہ کے جملوں پر بھی کلمہ اور کلام کا اطلاق ہوتا ہے۔

طلبہ کو ایک نصیحت

یہاں اس حدیث اور اس کے ترجمۃ الباب کے بارے میں طالب علمانہ طور پر بہت کچھ عرض کرنے کی گنجائش ہے اور بہت کچھ بیان کیا جاتا ہے، لیکن میں چند اصولی باتوں پر اکتفا کرتے ہوئے دورۂ حدیث شریف سے فارغ ہونے والے طلبہ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جتنا علم آپ حضرات نے

حاصل کیا ہے اس سے اس غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں کہ آپ لوگ عالم ہو گئے ہیں، جو کچھ آپ نے پڑھا ہے اس سے صرف اتنا ہوا ہے کہ آپ علم کے دروازے تک پہنچ گئے ہیں اور حصولِ علم کا راستہ آپ نے دیکھ لیا ہے۔ اب آپ لوگوں کی ہمت پر منحصر ہے کہ علم میں کتنا آگے بڑھتے ہیں اور اس میں سے کتنا حصہ حاصل کر پاتے ہیں۔ اس لیے تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھیں، مطالعہ کا ذوق بڑھائیں اور علم و معلومات میں جس قدر اضافہ کا موقع ملے اسے ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اور اس کے ساتھ اہل السنۃ والجماعۃ کے علمی مسلّمات اور امت کے اجماعی تعامل کے دائرہ سے باہر نہ نکلیں جس کا ہمارے زمانے سے قریب تر دور اکابر علماء دیوبند کا دور ہے۔ امت کے اجماعی تعامل اور اہلِ سنت کے مسلّمات کے دائرہ سے باہر نکلنا گمراہی ہے، اس لیے اکابر کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے دین اور علم کی خدمت کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ آپ سب کو اس کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

بخاری شریف کی خصوصیات

(۳ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو جامعہ تعلیم القرآن للبنات، گوجرانوالہ میں خطاب۔ مطبوعہ روزنامہ اسلام لاہور، ۱۶ اکتوبر ۲۰۰۹ء)

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ سب سے پہلے ان طالبات کو جو آج دورۂ حدیث شریف اور بخاری شریف کے سبق کا آغاز کر رہی ہیں اس تعلیمی پیشرفت پر مبارکباد پیش کرتا ہوں اور دعاگو ہوں کہ اللہ رب العزت انہیں علمِ حدیث کا ذوق عطا فرمائیں، فہم نصیب کریں، عمل کی توفیق اور خدمت کے مواقع سے بہرہ ور فرمائیں، آمین یارب العالمین۔ آپ نے اس سے قبل حدیثِ نبویؐ کی بعض کتابیں پڑھی ہیں اور اس سال بھی بخاری شریف کے ساتھ ساتھ دیگر کتابیں آپ پڑھیں گی لیکن میں آپ کو بخاری شریف کی اہمیت اور اس کی چند خصوصیات و امتیازات کی طرف توجہ دلانا چاہا ہوں تاکہ پڑھنے کے دوران آپ کی ان پر نظر رہے اور اس عظیم کتاب سے آپ زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔

کتاب کی جامعیت

بخاری شریف کی ایک خصوصیت اس کی جامعیت ہے جس کے بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اس کتاب میں فقہ و احکام فقہ، سیر و مغازی، تفسیر، وجدانیات و روحانیات اور اخلاق و آداب کے مختلف شعبوں کی روایات کو جمع کر دیا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ایمان و عقائد کی روایات کو بھی کتاب کا حصہ بنایا ہے، اور انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کے بارے میں کسی نہ کسی عنوان کے ساتھ امام بخاریؒ نے روایات پیش نہیں کیں۔ چنانچہ محدثین کی اصطلاح میں ''الجامع'' اسی کتاب کو کہا جاتا ہے جس میں صرف احکام کی روایات نہ ہوں بلکہ ایمانیات، تفسیر، اخلاقیات اور دیگر ضروری شعبوں کی روایات و ابواب بھی اس کا حصہ ہوں اور اس حوالہ سے بخاری شریف کو صحیح معنوں میں ''الجامع'' کا مقام حاصل ہے۔

روایات کی صحت کا معیار

بخاری شریف کا دوسرا امتیاز اس کا صحت کا معیار ہے۔ امام بخاریؒ نے روایت کو قبول کرنے کے لیے اس کے مسند اور مرفوع ہونے کے ساتھ ساتھ اس کی صحت کی ایسی شرائط قائم کی ہیں اور ان کی پابندی کا اہتمام کیا ہے جس نے جمہور محدثین کے ہاں بخاری شریف کو "اصح الکتب بعد کتاب اللّٰہ" کا درجہ دلا دیا ہے۔

فقہ واستنباط کی کتاب

بخاری شریف کا تیسرا امتیاز یہ ہے کہ وہ صرف روایات کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ فقہ واستنباط بھی اس کا ایک اہم حصہ ہے۔ عام طور پر محدث کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ روایات اور اس کی سند پیش کرتا ہے اور حدیث کے درجہ سے بحث کرتا ہے، جبکہ حدیث سے کسی مسئلہ کا استنباط اور کسی حکم کے لیے اس سے استدلال فقیہ کا کام ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ یہ دونوں کام کرتے ہیں اور ایک روایت کو کئی حصوں میں تقسیم کر کے اور متعدّد جگہوں پر اسے درج کر کے بعض روایات سے انہوں نے درجنوں مسائل نکالے ہیں۔ امام بخاریؒ محدث بھی ہیں، فقیہ بھی ہیں، مفسر بھی ہیں، مؤرخ بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ متکلّم بھی ہیں۔ وہ چونکہ مؤرخ بھی ہیں اس لیے تاریخی روایات ان کے ہاں سب سے زیادہ ملتی ہیں۔ انہوں نے مغازی کا ذکر جس تفصیل کے اور ذوق کے ساتھ کیا ہے وہ آپ کو کہیں اور نہیں ملے گا اور تاریخی اہمیت کی دیگر روایات مثلاً جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلیفہ کے طور پر حضرت ابوبکرؓ کا انتخاب، پھر حضرت عمرؓ کا انتخاب، پھر حضرت عثمانؓ کا انتخاب، اور دیگر تاریخی اہمیت کے حامل واقعات امام بخاریؒ نے اہتمام کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔

قرآن کریم کی تفسیر وتشریح

بخاری شریف کی کتاب التفسیر بھی آپ کو حدیث کی دیگر بہت سی کتابوں سے ممتاز نظر آئے گی۔ وہ قرآنی آیات کی تفسیر روایات کے ساتھ تو کرتے ہی ہیں، ان کے الفاظ کی تشریح بھی کرتے ہیں اور لغوی بحث بھی کرتے ہیں۔ اس ضمن میں امام بخاریؒ کے ذوق کے ایک پہلو کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہوں گا کہ وہ قرآن کریم کی کسی آیت کی تشریح میں پہلے قرآن کریم ہی کی کوئی دوسری آیت پیش کریں گے، اس

کے ساتھ کوئی حدیث لائیں گے، اور پھر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے آثار و اقوال نقل کریں گے۔ اور یہ بتائیں گے کہ حدیث و سنت کے ساتھ ساتھ آثارِ صحابہ اور آثار تابعین بھی قرآن فہمی کا ایک اہم ذریعہ ہیں اور انہیں قرآن کریم کی تعبیر و تشریح میں خاص اہمیت حاصل ہے۔

ایمانیات و عقائد کی تعبیر و تشریح

میری طالب علمانہ رائے میں امام بخاریؒ کا ایک اور امتیاز یہ ہے کہ وہ ایک متکلّم اور عقائد کے شارح کے طور پر محدثین کے ذوق کے سب سے بڑے ترجمان ہیں۔ انہوں نے صرف ایمانیات و عقائد پیش نہیں کیے بلکہ ان کی تعبیر و تشریح بھی مستقل طور پر کی ہے۔ وہ بخاری شریف کے آغاز میں کتاب الایمان کے تحت ایمانیات و عقائد کی بات کرتے ہیں اور بخاری شریف کے اختتام پر عقائد کی تعبیر و تشریح سے بحث کرتے ہیں۔ اور دونوں جگہ ان کا انداز یہ ہے کہ قرآن کریم کی آیات پیش کرتے ہیں، احادیث پیش کرتے ہیں، اور اس کے ساتھ جہاں ضرورت پیش آتی ہے صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے اقوال و آثار بھی پیش کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ یہ بتاتے اور سمجھاتے ہیں کہ جس طرح عقائد کا ماخذ قرآن کریم، سنتِ رسولؐ اور آثارِ صحابہؓ ہیں، اسی طرح عقائد کی تعبیر و تشریح کی اساس بھی انہی تین امور پر ہے اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کی علمی اور فکری بنیاد ہے۔

فکری گمراہی کا سدباب

آج کے دور میں جبکہ فکری گمراہی کا چلن عام ہے اور یہ بات کھلے بندوں کہی جاتی ہے کہ عقیدہ صرف قرآن کریم سے لیں گے، اور اس کی تعبیر و تشریح عقلِ عام (کامن سینس) کے ذریعے کریں گے۔ فکر و عقیدہ کی بہت سی گمراہیوں کی بنیاد اسی سوچ پر ہے۔ اس لیے میرے خیال میں بخاری شریف کی تعلیم و تدریس کے دوران امام بخاریؒ کے اس اسلوب کی طرف سب سے زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ ایمان و عقیدہ ہو یا فقہ و احکام ہوں، ہمارے استدلال اور تعبیر و تشریح کا ماخذ قرآن و سنت اور آثار صحابہؓ ہیں اور کسی عقیدہ کا تعین اور اس کی تشریح و تعبیر ہم اسی دائرے میں کریں گے۔

کتاب کا طرزِ استنباط

اسی طرح یہ بات بھی بخاری شریف پڑھتے اور پڑھاتے ہوئے پیشِ نظر رہنی چاہیے کہ امام

بخاریؒ کسی حدیث سے مسئلہ اور حکم کا استنباط کیسے کرتے ہیں۔ بخاری شریف میں عنوان کا حدیث کے ساتھ تعلق یہی ہوتا ہے جسے بخاری شریف کی مشکلات میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس پر بھی بطور خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے، اس لیے کہ استدلال سے فقہی ذوق پیدا ہوتا ہے اور فکر و ذہن کو بلندی اور گہرائی دونوں نصیب ہوتی ہیں۔ اگر اس پہلو پر ضروری توجہ دی جائے تو قرآن کریم اور حدیثِ نبویؐ کے صحیح فہم کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔

میرے حدیث کے شیوخ اور روایات

بخاری شریف میں میری اصل سند تو تعلیمی سند ہے جو والد محترم مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے حوالہ سے ہے کہ میں نے بخاری شریف مکمل ان سے پڑھی ہے، اور انہوں نے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور دیگر اساتذہ سے پڑھی ہے۔ یہ سند معروف ہے لیکن مجھے بحمد اللہ تعالیٰ دیگر بہت سے اکابر محدثین سے بھی روایت حدیث کی اجازت حاصل ہے جن میں الشیخ عبد الفتاح ابو غدہ، الشیخ عبد اللہ بن احمد الناخبی الحضرمی اور الشیخ سید ابوالحسن علی ندوی رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔ ان میں شیخ محمد یاسین فادانیؒ کی سند کے ساتھ میں آپ کے سامنے روایت پڑھوں گا، ایک تو اس لیے کہ اس میں واسطے کم ہیں اور دوسرا اس لیے کہ شیخ فادانی اپنے دور کی ایک عظیم محدثہ خاتون الشیخۃ امۃ اللہ محدثہ دہلویہؒ سے روایت کرتے ہیں جو حضرت شاہ عبد الغنی محدث دہلویؒ کی بیٹی اور شاگرد ہیں اور وہ اپنے والد محترم سے روایت کرتی ہیں۔ اس عظیم محدثہ خاتون کی نسبت سے میں طالبات کے سامنے عام طور پر اسی سند کے ساتھ روایت پڑھا کرتا ہوں تاکہ آپ طالبات بھی اس نسبت کی برکت میں شامل ہو جائیں۔

وحی سے راہنمائی اور نیت و عمل کا جوڑ

امام بخاریؒ ابتدا میں ”بدء الوحی“ کا باب لا کر یہ سبق دے رہے ہیں کہ ہمارے تمام معاملات کی بنیاد وحی پر ہے۔ عقیدہ و ایمانیات سے لے کر اخلاق و معاملات تک ہم ہر معاملہ میں وحی سے راہنمائی حاصل کریں گے۔ یہ بات آج کے دور میں جبکہ پوری دنیا آسمانی تعلیمات کو ماننے یا ان سے صاف انکار کرنے کے حوالہ سے دو واضح حصوں میں تقسیم ہو چکی ہے، بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے کہ ہم آج کے عالمی تناظر میں وحیٔ الٰہی کے ساتھ اور آسمانی تعلیمات کے ساتھ اپنی دوٹوک وابستگی اور کمٹمنٹ کا اظہار

کر رہے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کا آغاز نیت والی روایت سے کیا ہے جس سے وہ یہ سبق دے رہے ہیں کہ اصل بات نیت ہے اور نیت پر ہی عمل کا مدار ہے۔ اگر نیت درست ہے تو اعمال بھی درست ہیں، اور اگر خدانخواستہ نیت میں گڑبڑ ہے تو اعمال بھی اسی کے مطابق شمار ہوں گے۔ اس لیے ہمیں اس کارِ خیر کے آغاز سے پہلے اپنی نیتوں کا جائزہ لے لینا چاہیے کہ ہم کس نیت اور غرض کے ساتھ یہ کام کر رہے ہیں، اور اگر اس میں کوئی جھول یا کجی ہو تو اسے درست کر لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیت کی اصلاح کے ساتھ صحیح عمل کا ذوق اور اس کی تکمیل کی توفیق سے نوازیں، آمین ثم آمین۔

علومِ حدیث:
امام بخاریؒ، امام طحاویؒ اور شاہ ولی اللہؒ کا اسلوب

(۲۱ اپریل ۲۰۱۰ء کو جامعہ اسلامیہ، کلفٹن، کراچی میں خطاب)

بعد الحمد والصلوۃ۔ ہم اس وقت سب حدیثِ نبویؐ کے طلبہ بیٹھے ہیں اور حدیثِ نبویؐ کے حوالہ سے گفتگو کر رہے ہیں۔

حدیثِ نبویؐ: تمام علومِ دینیہ کا سرچشمہ

حدیثِ نبویؐ اپنے عمومی مفہوم میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و اعمال اور احوال و واقعات پر مشتمل ہے اور تمام علومِ دینیہ کا سرچشمہ اور ماخذ ہے:

- ہمیں قرآن کریم حدیثِ نبویؐ کی وساطت سے ملا ہے،
- سنتِ نبویؐ کے حصول کا ذریعہ بھی یہی ہے،
- اور فقہ کا استنباط بھی اسی سے ہوتا ہے۔

اسی لیے حدیثِ نبویؐ کو ہمارے نصاب میں سب سے زیادہ مقدار میں اور تفصیل کے ساتھ پڑھایا جاتا ہے۔ ہمارا آخری تعلیمی سال پورا حدیثِ نبویؐ کی تدریس و تعلیم میں گزرتا ہے، اور طلبہ دورۂ حدیث کے عنوان سے حدیثِ نبویؐ کی اہم کتابوں کا سماع کرتے ہیں اور ان کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں اس وقت حدیثِ نبویؐ کی تعلیم کے حوالہ سے صرف ایک پہلو پر کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہمیں حدیثِ نبویؐ کی یہ بڑی بڑی کتابیں کس طرح پڑھنی چاہئیں اور ان سے کس طرح استفادہ کرنا چاہیے؟

محدثین کا جداگانہ طرز

جہاں تک مسائل کا تعلق ہے انہیں ہم اس سے قبل فقہ کی کتابوں میں پڑھ چکے ہیں اور مسائل کی تفصیلات انہیں میں ملتی ہیں، اس لیے یہ گزارش کروں گا کہ دورۂ حدیث کے دوران حدیثِ نبویؐ کی یہ کتابیں مسائل معلوم کرنے کی بجائے محدثین کے الگ الگ ذوق، اسلوب اور طرز استدلال سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے پڑھنی چاہئیں۔ محدثین کا اپنا اپنا ذوق ہے، الگ الگ دائرہ کار ہے، اور جداگانہ طرز استدلال ہے۔ اس لیے میری طالب علمانہ رائے میں حدیثِ نبویؐ کی کتابوں کو پڑھتے اور پڑھاتے ہوئے اس تنوع اور توسع سے مستفید ہونے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر تین بزرگوں کا ذکر کروں گا۔

حضرت امام بخاریؒ کا طرز

امام بخاریؒ سب سے بڑے محدث سمجھے جاتے ہیں اور ان کی ''الجامع الصحیح'' کو حدیث کی سب کتابوں پر فوقیت حاصل ہے۔ اس کی ایک وجہ ان کے ہاں سند و روایت کا کڑا معیار اور اس کی پابندی ہے جس کی وجہ سے اسے "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" کا درجہ دیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا ایک اہم امتیاز امام بخاریؒ کا طرزِ استدلال اور اسلوبِ استنباط بھی ہے، جسے ہمارے ہاں ترجمۃ الباب کا اس کے تحت درج روایت کے ساتھ تعلق اور ان میں مناسبت تلاش کرنے کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ترجمۃ الباب کا حدیث و روایت کے ساتھ کیا تعلق ہے اور امام بخاریؒ نے اس سے کس طرح استدلال کیا ہے؟ یہ معلوم کرنا اور بیان کرنا تدریسِ بخاری شریف کی مہمات میں شمار ہوتا ہے۔ میں اس کو طرزِ استدلال اور اسلوبِ استنباط سے تعبیر کر رہا ہوں کہ ہمیں امام بخاریؒ سے استدلال اور استنباط کا فن سیکھنا چاہیے۔ بخاری شریف کے تراجم ابواب امام بخاریؒ کے استدلال و استنباط کے فن کے شاہکار ہیں، بسا اوقات وہ بہت دور کی کوڑی لاتے ہیں اور حدیث اور ترجمۃ الباب میں مناسبت تلاش کرنے میں خاصی مغز کھپائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ فرمایا کرتے تھے کہ امام بخاریؒ کا استدلال بسا اوقات اس طرز کا ہوتا ہے جیسے کسی شاعر نے کہا ہے کہ ؎

مگس کو باغ میں جانے نہ دیجیو

کہ ناحق خون پروانے کا ہو گا

یعنی شہد کی مکھی کو باغ میں نہ جانے دینا اس لیے کہ وہ باغ میں جائے گی تو پھلوں اور پھولوں کا رس چوسے گی، پھر شہد بنائے گی، چھتہ بنائے گی، اس میں شہد نکالے گی، شہد کو حاصل کرنے کے لیے لوگ چھتے کو نچوڑیں گے، نچوڑنے کے بعد چھتے کے باقی ماندہ حصے سے موم حاصل ہوگی، اس سے موم بتی بنے گی اور موم بتی جب جلے گی تو پروانہ آکر جل جائے گا۔ اسی لیے دورۂ حدیث کے طلبہ کو میں یہ مشورہ دوں گا کہ بخاری شریف پڑھتے ہوئے اس طرف بطور خاص توجہ دیں اور امام بخاریؒ کے استدلال کے اسلوب اور استنباط کی ندرت سے اچھی طرح واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

حضرت امام طحاویؒ کا طرز

امام طحاویؒ کی ''شرح معانی الآثار'' کا کچھ حصہ ہم دورۂ حدیث میں پڑھتے ہیں۔ میرے خیال میں اسے طلبہ کو دورۂ حدیث سے پہلے پڑھانا چاہیے اور مکمل پڑھانا چاہیے۔ امام طحاویؒ کے خوبصورت فقہی مجادلہ سے گزر کر جب طلبہ دورۂ حدیث میں آئیں گے تو حدیثِ نبویؐ پڑھنے کا لطف ہی اور ہو گا۔ امام طحاویؒ کا بنیادی ذوق فقہی مجادلہ اور مکالمہ کا ہے، اور حنفیت کے دفاع میں امام طحاویؒ کے فقہی مکالمہ کی طرز کو میں اس باب میں آئیڈیل سمجھتا ہوں، یہی فقہی مجادلہ کا اصل اور معیاری اسلوب ہے۔ مثلاً وہ:

- کسی بھی فقہی مسئلہ میں تمام اقوال کا دیانتداری کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور سب کے دلائل تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔
- پہلے دوسرے فریق کے اقوال کا ذکر کرتے ہیں، ان کے دلائل کا ذکر کر کے ان کا تجزیہ کرتے ہیں، ان کی کمزوری واضح کرتے ہیں، پھر اپنے موقف اور دلائل بیان کرتے ہیں، ان کا تقابل کر کے وجوہ ترجیح کا ذکر کرتے ہیں اور اپنا موقف خالصتاً علمی بنیاد پر ثابت کرتے ہیں۔
- وہ کسی جگہ بھی یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ امام ابو حنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ، اور امام محمدؒ کا یہ قول ہے اور فلاں فلاں حدیث ان کی تائید کرتی ہے، بلکہ اس کی بجائے وہ یہ فرماتے ہیں کہ فلاں فلاں حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور ان کے رفقاء بھی یہی کہتے ہیں۔
- ہر مسئلہ کی نوعیت اور اس کا دائرہ بیان کرتے ہیں کہ خطا و صواب کا معاملہ ہے، یا اولیٰ غیر

اولیٰ کا مسئلہ ہے۔ فقہی اختلافات میں ایک غلط رویہ ہمارے ہاں پیدا ہو گیا ہے کہ ہم فقہی مسائل میں درجہ بندی کا عام طور پر لحاظ نہیں رکھتے۔ مثلاً حق و باطل کا دائرہ الگ ہے، خطا و صواب کا دائرہ اس سے مختلف ہے، جبکہ اولیٰ و غیر اولیٰ کا دائرہ ان دونوں سے جدا ہے۔ مگر ہم اولیٰ و غیر اولیٰ کے مسائل میں بسا اوقات اس قدر شدت اختیار کر لیتے ہیں کہ وہ حق و باطل کا معرکہ دکھائی دینے لگتا ہے اور اسلام و کفر کی جنگ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ ہمیں طحاوی شریف پڑھتے ہوئے امام طحاویؒ سے یہ بھی سیکھنا چاہیے کہ جس مسئلہ میں ہم بحث کر رہے ہیں اس کی سطح اور دائرہ کیا ہے کیونکہ امام طحاویؒ اس کا بطور خاص اہتمام کرتے ہیں۔

- امام طحاویؒ کے طرزِ استدلال میں ایک اور بات آپ کو نظر آئے گی جو ہر سنجیدہ صاحبِ علم کی خصوصیت ہوتی ہے کہ مباحثہ و مکالمہ میں جہاں اپنے موقف یا استدلال میں کمزوری محسوس کرتے ہیں اس کے اظہار میں کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ یہ علمی دیانت کی بات ہے اور امانت کا تقاضہ ہے جس سے کسی صاحبِ علم کو پہلوتہی نہیں کرنی چاہیے۔ اس کی ایک مثال کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا کہ منی پاک ہے یا ناپاک؟ اس پر احناف اور شوافع میں اختلاف ہے، احناف اسے بول و براز کی طرح ناپاک سمجھتے ہیں جبکہ شوافع کے نزدیک یہ ناک کی رطوبت کی طرح پاک ہے۔ امام طحاویؒ نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے، دونوں طرف سے احادیث و آثار بیان کیے ہیں اور بحث و تمحیص کے بعد وہ نتیجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ دونوں طرف روایات و آثار موجود ہیں اور ہم ان روایات کی بنیاد پر کوئی فیصلہ نہیں کر پا رہے، اس لیے ہم قیاس و نظر کی بنیاد پر اپنے موقف کو ثابت کرتے ہیں۔

اس لیے میں دورۂ حدیث کے طلبہ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ وہ طحاوی شریف پڑھتے ہوئے امام طحاویؒ سے فقہی مجادلہ کا اسلوب سیکھیں اور فقہی مکالمہ کی اخلاقیات کا درس لیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کا طرز

تیسرے بزرگ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ہیں جن کا میں اس حوالہ سے ذکر کرنا چاہتا ہوں، اور ان کی کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ ہے جسے حضرت شاہ صاحبؒ نے بنیادی طور پر احادیثِ نبویہؐ کی کتاب کے طور پر ہی پیش کیا ہے، اور ہمارے ہاں جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں اس کے بعض

ابواب دورۂ حدیث کے نصاب میں شامل ہیں۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے "حجۃ اللہ البالغہ" میں حدیثِ نبویؐ کی اہمیت بیان کی ہے، جناب نبی اکرمؐ کے ارشادات و اعمال کی حکمتوں پر بحث کی ہے، اسلامی شریعت کی حکمتوں اور فوائد کو واضح کیا ہے، محدثین اور فقہاء کے اسلوب میں فرق کی نشاندہی کی ہے، اور احادیثِ نبویؐ سے مسائل و احکام کے استنباط و استدلال کے حوالہ سے صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور ائمہ مجتہدینؒ کے اسالیب سے متعارف کرانے کے ساتھ ساتھ مختلف فقہوں کے وجود میں آنے کا پس منظر اور تاریخ بیان کی ہے۔ اسلامی احکام اور مسائل شریعت کی حکمتوں اور اسرار و رموز سے واقفیت اور اس اسلوب سے استفادہ کے لیے "حجۃ اللہ البالغۃ" سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے، اس لیے میری رائے میں حدیثِ نبویؐ کے اس پہلو سے ہمارے طلبہ اور اساتذہ کا واقف ہونا ضروری ہے، بلکہ آج کے دور میں اس کی اہمیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔

میں نے حدیثِ نبویؐ کی تعلیم و تدریس کے حوالہ سے صرف ایک پہلو پر کچھ معروضات پیش کی ہیں، دعا کریں کہ اللہ رب العزت ہمیں حدیثِ نبویؐ کے ذخیرے سے زیادہ سے زیادہ استفادے کی توفیق دیں، آمین یارب العالمین۔

اکابر علماء دیوبند کی علمی دیانت اور فقہی توسع

(ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ-نومبر ۲۰۱۱ء)

اکابر علماء دیوبند کی خصوصیات اور امتیازات میں جہاں دین کے تمام شعبوں میں ان کی خدمات کی جامعیت ہے کہ انہوں نے وقت کی ضروریات اور امت کے معروضی مسائل کو سامنے رکھ کر دین کے ہر شعبہ میں محنت کی ہے، وہاں علمی دیانت اور فقہی توسع بھی ان کے امتیازات کا اہم حصہ ہے۔ انہوں نے جس موقف کو علمی طور پر درست سمجھا ہے، کسی گروہی عصبیت میں پڑے بغیر اس کی حمایت کی ہے اور مسلمانوں کی اجتماعی ضروریات کے حوالے سے جہاں بھی فقہی احکام میں توسع اختیار کرنے کی ضرورت پیش آئی ہے، انہوں نے اس سے گریز نہیں کیا۔

علماء دیوبند کو بحمد اللہ تعالیٰ اہلِ سنت اور حنفیت کی علمی اور شعوری ترجمانی کا شرف حاصل ہے جس کا اعتراف عالمی سطح پر کیا جاتا ہے اور ان کے علمی تعارف کی حیثیت رکھتا ہے۔ اکابر علماء دیوبند کو ایک طرف فقہ کی اہمیت وضرورت سے انکار کی صورتحال کا سامنا تھا اور دوسری طرف ان کا واسطہ اس فقہی جمود سے تھا جس میں جزئیات وفروعات کو بھی کفر واسلام کا مدار سمجھ لیا جاتا تھا۔ علماء دیوبند نے ان دونوں کے درمیان اعتدال وتوازن کا راستہ اختیار کیا اور اہل السنۃ اور احناف کے تاریخی علمی تسلسل کے ساتھ اپنا رشتہ قائم رکھا۔

اس بات پر چند واقعاتی شہادتیں قارئین کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا ہوں جس سے اکابر علماء دیوبند کے اعتدال، توازن، توسع اور علمی دیانت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

فسخِ نکاح کے اختیار کا فتویٰ

امام الطائفہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا احمد رضا خانؒ اپنے دور کی دو بڑی شخصیات ہیں جن کی طرف دیوبندیت اور بریلویت کی علمی روایت منسوب ہے اور عقائد واحکام دونوں میں ان دو شخصیات کی تعبیرات وتشریحات پر ان دو اہم مسلکی گروہوں کے علمی تشخص کا مدار ہے۔ ان کے

دور میں ایک مسئلہ پیش آیا کہ ایک سید لڑکی نے، جو عاقلہ بالغہ تھی، ایک ایسے شخص سے نکاح کر لیا جس نے خود کو سید ظاہر کیا اور حلف اٹھا کر اس کا یقین دلایا، مگر نکاح کے بعد ظاہر ہو گیا کہ وہ سید نہیں ہے۔ اس پر لڑکی کے اولیاء کو اعتراض ہوا کہ یہ بات ان کے لیے معاشرے میں باعثِ عار ہے، اس لیے وہ اس نکاح کو قبول نہیں کرتے۔ سوال یہ ہوا کہ لڑکے کی طرف سے دھوکہ دینے کے بعد اولیاء کے اعتراض کی صورت میں اس نکاح کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ اور اگر نکاح فسخ کیا جائے تو اس کی عملی صورت کیا ہوگی؟

اس سوال کے جواب میں مفتی محمد عبدالرحمن برسانی صاحب نے لکھا کہ:

> ”صورتِ مذکورہ میں ہندہ کو اور اولیا کو اختیار فسخ کا ہے۔ اس زمانہ میں اگرچہ قاضی نہیں ہے، جب بھی شہر کے مفتی سے حکم لے کر فسخ کر سکتا ہے کہ قائم مقام قاضی کا مفتی ہے۔“

جبکہ مولانا احمد رضا خانؒ نے اس کا جواب یہ دیا کہ:

> ”یہاں جبکہ وہ کفو نہیں اور ولی کو دھوکہ دیا گیا، دونوں امر سے کچھ متحقق نہیں ہوا۔ نکاح باطل محض رہا۔ بعد ظہور حال زید کی قسم اور تحریر سب مہمل ہے۔“

مگر یہ استفتاء اور اس کے جوابات حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی خدمت میں پیش کیے گئے تو انہوں نے یہ جواب تحریر فرمایا کہ:

> ”صورتِ مندرجہ میں اولیا کو حق فسخِ نکاح کا ہے اور وہ کسی حاکم یا قاضی مسلمان سے رجوع کریں کہ وہ فسخ کرے۔ مفتی کو حنفیہ کے نزدیک بغیر تحکیمِ طرفین اختیارِ فسخ نہیں ہے۔“

اس پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور حضرت مولانا محمد منفعت علیؒ کے بھی دستخط ہیں۔ یہ سب فتاویٰ جب دار العلوم دیوبند کے اس وقت کے صدر مفتی حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن دیوبندیؒ کے سامنے رکھے گئے تو انہوں نے اس پر تحریر فرمایا کہ:

> ”جواب مجیب اول صحیح ہے۔ اولیا کو اختیارِ فسخِ نکاح ہے۔“

یہ علمی دیانت کی بات ہے کہ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن دیوبندیؒ کو خود اپنے مشائخ اور اساتذہ

کی رائے پر اطمینان نہیں ہوا تو انہوں نے دوسرے فریق کے موقف کی حمایت کر دی۔ اور مزید دیانت کی بات یہ ہے کہ جب ''فتاویٰ رشیدیہ'' مرتب کیا گیا تو اس میں یہ سارے جوابات من وعن شامل کر دیے گئے اور اب بھی یہ سوال وجواب فتاویٰ رشیدیہ کا حصہ ہیں۔

حضرت امام بخاریؒ اور خلقِ قرآن کا مسئلہ

میں نے جب یہ فتویٰ پڑھا تو میرے ذہن میں حضرت امام بخاریؒ کے ایک واقعہ کی یاد تازہ ہو گئی جو کسی زمانے میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی کتاب ''قواعد علوم الحدیث'' کے حاشیہ میں حضرت الاستاذ عبد الفتاح ابو غدہؒ کے قلم سے نظر سے گزرا تھا۔ اس کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے معتزلہ کے مقابلے میں اہلِ سنت کی ترجمانی کرتے ہوئے "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" کے عقیدہ پر سختیاں برداشت کی تھیں اور قید اور کوڑوں کی سزائیں جھیلی تھیں، مگر ان کے بعد بعض حنابلہ نے اس عقیدہ کی تعبیر وتشریح میں غلو اختیار کرتے ہوئے یہ کہنا شروع کر دیا کہ قرآن کریم کے جو الفاظ ہماری زبانوں پر تلاوت میں آتے ہیں، یہ بھی مخلوق نہیں ہیں، تو حضرت امام بخاریؒ نے اس سے اختلاف کیا اور فرمایا کہ "لفظی بالقرآن مخلوق"۔ اس پر حضرت امام بخاریؒ کے استاذ محترم امام محمد بن یحییٰ نیشاپوریؒ نے امام بخاریؒ کے گمراہ ہونے کا فتویٰ دے دیا اور فرمایا کہ:

> "من زعم لفظی بالقرآن مخلوق فھو مبتدع ولا یجالس ولا یکلم ومن ذھب بعد ھذا الی محمد بن اسماعیل البخاری فاتھموہ فانہ لایحضر مجلسہ الا من کان علی مذھبہ"
>
> ''جو شخص یہ کہتا ہے کہ "لفظی بالقرآن مخلوق" وہ بدعتی ہے، اس کی مجلس میں نہ بیٹھا جائے اور اس سے کلام نہ کیا جائے۔ اور جو شخص اس کے بعد محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی مجلس میں جائے، اسے متہم سمجھا جائے، کیونکہ اس کی مجلس میں وہی جاتا ہے جو اس کے مذہب پر ہوتا ہے۔''

حضرت امام بخاریؒ نے بھی اپنے استاذ حضرت امام محمد بن یحییٰ ذہلیؒ کے شہر میں اپنا حلقہ درس قائم کیا تھا، مگر جب امام ذہلیؒ نے یہ فتویٰ صادر کر دیا: "لا یساکننی محمد بن اسماعیل فی البلد" کہ محمد بن اسماعیل اس شہر میں میرے ساتھ نہ رہے تو امام بخاریؒ کو نیشاپور چھوڑنا پڑا اور وہ اپنے وطن بخارا چلے گئے، جہاں کے گورنر خالد کے ساتھ ان کا اختلاف ہو گیا اور وہ وہاں سے بھی نکل گئے اور

مسافرت کی حالت میں "خرتنگ" کے مقام پر یہ دعا کرنے کے بعد وفات پا گئے کہ "اللھم ضاقت علی الارض بما رحبت فاقبضنی الیک" یا اللہ، یہ زمین اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود مجھ پر تنگ پڑ گئی ہے، اس لیے اب مجھے اپنے پاس بلا لے۔

مجھے علماء کرام کے ایک وفد کے ساتھ خرتنگ جانے اور امام بخاریؒ کی قبر پر فاتحہ خوانی کی سعادت حاصل ہوئی ہے، فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اس واقعہ کے حوالے سے عام طور پر میں دو باتیں عرض کیا کرتا ہوں:

۱. ایک یہ کہ اہلِ سنت کے ہاں عقائد میں بھی تعبیرات و تشریحات کے تنوع اور توسع کی یہ کیفیت ہے کہ امام ذہلیؒ اور ان کے متبعین الفاظ قرآن کے مخلوق ہونے کو "القرآن کلام اللہ غیر مخلوق" کے عقیدے کے خلاف اور بدعت قرار دے ہیں، جبکہ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کو "لفظی بالقرآن مخلوق" کہنے پر نیشاپور سے جلاوطن ہونا پڑا ہے، مگر اس کے باوجود دونوں طبقوں اور ان کے نمائندہ بزرگوں کو اہلِ سنت کے مسلّمہ اماموں کا درجہ حاصل ہے اور امت دونوں کے ساتھ نسبت پر فخر کرتی ہے۔

۲. دوسری بات یہ ہے کہ الاستاذ ابو غدہؒ نے اس کے ساتھ یہ بھی بیان فرمایا ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنے استاذ محترم امام ذہلیؒ کے اس سخت رویے اور ان کی طرف سے گمراہی کے فتوے اور جلاوطنی کے حکم کے باوجود ان سے روایت ترک نہیں کی اور بخاری شریف میں ان سے تیس کے لگ بھگ روایات درج کی ہیں۔ یہ علمی دیانت ہے جو ہمارے پرانے اسلاف کی روایات کا حصہ ہے اور اکابر علماء دیوبند نے اس کا تسلسل قائم رکھا ہے۔

جمعہ کی اذانِ ثانی کا مسئلہ

اس سلسلے میں دوسرا واقعہ یہ ذکر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں نے مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں حضرت مولانا مفتی عبد الواحدؒ کے معاون اور نائب کے طور پر ذمہ داریاں ۱۹۷۰ء میں سنبھالی تھیں، لیکن اس سے قبل بھی ان کی غیر موجودگی میں جامع مسجد میں جمعہ پڑھانے کا متعدّد بار اعزاز حاصل ہو چکا تھا۔ یہاں میں نے اپنے عمومی ماحول سے ایک مختلف بات یہ دیکھی کہ جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد کے اندر خطیب کے سامنے لاؤڈ اسپیکر پر نہیں دی جاتی، بلکہ مسجد کی حدود سے باہر امام کے سامنے

حوض پر کھڑے ہو کر بغیر لاؤڈ اسپیکر کے دی جاتی ہے۔ جبکہ گکھڑ میں حضرت والد محترمؒ اور مدرسہ نصرۃ العلوم میں حضرت صوفی صاحبؒ کا معمول یہ تھا کہ مؤذن جمعہ کی اذانِ ثانی لاؤڈ اسپیکر پر امام صاحب کے سامنے کھڑے ہو کر دیتا تھا۔ مجھے اس پر الجھن ہوئی تو میں نے حضرت مولانا مفتی عبد الواحدؒ سے دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد کی حدود سے باہر دینا بہتر ہے اور ہم اسی پر عمل کرتے ہیں۔ مسجد کے صحن کے آخر میں جو حوض ہے، وہ مسجد کا حصہ نہیں ہے، اس لیے ہم اعتکاف کرنے والوں کو وہاں تک جانے سے منع کرتے ہیں اور ہمارا مؤذن جمعہ کی اذانِ ثانی حوض پر امام کے سامنے کھڑے ہو کر دیتا ہے۔ میں نے اس کے بعد مزید اس مسئلہ کی کرید کی ضرورت محسوس نہیں کی، اس لیے کہ اس قسم کے جزوی اور فروعی مسائل میں میرا ذوق اور معمول یہ ہے کہ جہاں کسی ذمہ دار بزرگ کے فتویٰ پر عمل ہو رہا ہو، میں وہاں اسی پر عمل کرتا ہوں اور اسے ''ڈسٹرب'' کرنا مناسب نہیں سمجھتا۔

حضرت مولانا مفتی عبد الواحدؒ ہمارے اکابر میں سے تھے، والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے استاذ تھے اور میں نے کئی بار حضرت والد محترمؒ کو بعض مسائل میں ان سے رجوع کرتے دیکھ رکھا تھا، اس لیے میں بھی کم و بیش بیالیس سال سے ان کے فتویٰ پر عمل کرتا آ رہا ہوں اور اب بھی اس پر کسی نظر ثانی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ لیکن اس کا پس منظر کافی عرصہ کے بعد اس وقت میرے علم میں آیا جب حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہ العالی کی کتاب ''مطالعہ بریلویت'' سامنے آئی جس میں انہوں نے اس مسئلے کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور یہ بتایا ہے کہ یہ فتویٰ دراصل مولانا احمد رضا خان کا تھا کہ جمعہ کی اذان ثانی مسجد کے اندر نہیں بلکہ مسجد کی حدود سے باہر ہونی چاہیے۔ اس مسئلہ پر مولانا احمد رضا خان بریلویؒ کا اپنے بہت سے معاصر علماء کرام سے تحریری مباحثہ بھی ہوتا رہا اور ان کے معاصر علماء کرام نے، جن میں دیوبندی اور بریلوی دونوں شامل ہیں، ان کے اس فتویٰ سے اتفاق نہیں کیا تھا۔ مگر ہمارے ہاں مرکزی جامع گوجرانوالہ میں جمعہ کی اذانِ ثانی مسجد کی حدود سے باہر حوض پر دیے جانے کا معمول چلا آ رہا ہے۔

مزارعت کا مسئلہ

تیسری بات اس حوالے سے یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ مزارعت یعنی بٹائی کا مسئلہ ائمہ احناف

میں مختلف فیہ رہا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اسے جائز نہیں سمجھتے جبکہ صاحبین یعنی حضرت امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ نے اس کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ مُفتیٰ بہ قول ہر دور میں صاحبین کے قول کو قرار دیا جاتا رہا ہے اور آج بھی احناف کے ہاں اسی فتویٰ پر عمل جاری ہے، لیکن پاکستان میں جب بڑی زمین داریوں اور جاگیرداریوں کو عوامی مفادات اور ضروریات کے لیے کنٹرول کرنے کا مسئلہ چلا تو ۱۹۷۰ء میں علماء دیوبند کی سب سے بڑی جماعت جمعیت علماء اسلام پاکستان نے یہ موقف اختیار کیا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول اگرچہ مُفتیٰ بہ نہیں ہے لیکن امت کی اجتماعی ضرورت اور مفاد کے لیے اس مرجوح فتویٰ پر عمل کی ضرورت پڑ جائے تو ایسا بھی کیا جا سکتا ہے۔

اس موقف کا تذکرہ جمعیت علماء اسلام کے ۱۹۷۰ء کے انتخابی منشور میں موجود ہے اور حضرت مولانا مفتی محمودؒ نے مختلف مواقع پر اس کی وضاحت فرمائی ہے۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ کے سوانح نگار مولانا ڈاکٹر عبدالحکیم اکبری کی تصنیف ”مولانا مفتی محمود کی علمی، دینی و سیاسی خدمات“ (صفحہ ۵۰۰) سے اس سلسلے میں ایک اقتباس یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔ حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکیؒ نے کراچی میں علماء کی مجلس کا ذکر کرتے ہوئے اس میں بیان کردہ حضرت مولانا مفتی محمودؒ کے موقف کا یوں تذکرہ فرمایا ہے:

> ”مزارعت کا مسئلہ زیر بحث آیا تو حضرت مفتی صاحبؒ نے بڑی فاضلانہ تقریر فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ میں مزارعت کی وجہ سے بڑے بڑے فتنے پیدا ہوئے ہیں۔ ہاریوں کو زمیندار غلام سمجھتے ہیں اور چونکہ مسئلہ اختلافی ہے، ائمہ کبار میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ اس کے خلاف ہیں، اس لیے ان کے قول پر فتویٰ دیتے ہوئے اگر مزارعت کی ممانعت کر دی جائے اور مالکان زمین سے کہا جائے کہ وہ ملازم رکھ کر کاشت کرائیں یا خود کاشت کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔“

یہ سب باتیں عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اکابر علماء دیوبند کا طرزِ عمل جزئیات و فروعات پر اڑے رہنے اور چند مخصوص فتاویٰ پر جمود اختیار کرنے کا نہیں رہا، بلکہ حالات و زمانہ کے تقاضوں اور امت کی معروضی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے پوری علمی دیانت، اعتدال اور فقہی توسع کے ساتھ امت کے لیے سہولتیں پیدا کرنے اور اصول کے دائرے میں رہتے ہوئے حالات کی ضروریات کو

ایڈجسٹ کرنے کا رہا ہے اور آج بھی اکابر علماء دیوبند کی یہی روایت ہم سب کے لیے مشعلِ راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

”فضائلِ اعمال“ پر اعتراضات کا علمی جائزہ

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۲۴ جولائی ۲۰۱۲ء)

محدثین کے ہاں ضعیف احادیث کی قبولیت

......ایک یہ کہ ہمیں اس اصولی بحث کو پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ضعیف احادیث کسی درجہ میں قابلِ قبول ہیں یا انہیں بالکل ہی مسترد کر دینا چاہیے۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ ضعیف احادیث کو کلیتاً مسترد کر دینا درست نہیں ہے اور وہ فضائلِ اعمال میں قابلِ قبول چلی آ رہی ہیں۔ یہ صرف ہمارا موقف نہیں ہے بلکہ امت کے جمہور محدثین کا موقف ہے، اور ان محدثین کا بھی یہی موقف ہے جنہوں نے حدیث اور روایت کی صحت کے لیے سخت معیار قائم کیا ہے اور کڑی شرائط عائد کی ہیں۔ مثلاً امام بخاریؒ کی شرائط کو سب سے زیادہ مضبوط سمجھا جاتا ہے اور اسی وجہ سے صحیح بخاری کو "اصح الکتب بعد کتاب اللہ" کہا جاتا ہے۔ لیکن الجامع الصحیح سے ہٹ کر باقی تصانیف میں امام بخاریؒ نے اس معیار کی پابندی نہیں کی حالانکہ وہ کتابیں بھی انہوں نے امت کے استفادہ کے لیے ہی لکھی ہیں اور امتِ مسلمہ کے اہلِ علم ان سے مسلسل استفادہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔ ”الادب المفرد“ کو دیکھ لیں، وہ بھی امام بخاریؒ کی تصنیف ہے لیکن اس کا معیار صحیح بخاری والا نہیں ہے۔ اسی طرح امام شمس الدین ذہبیؒ بھی حدیث اور سند کے نقادوں میں سے ہیں اور ان کا نقد کا معیار بہت مضبوط ہے لیکن جس معیار پر وہ احادیث کو پرکھتے ہیں اور ان کے صحیح یا ضعیف ہونے کا فیصلہ کرتے ہیں ان کی اپنی کتاب ”الکبائر“ کا وہ معیار نہیں ہے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ محدثین کے ہاں ضعیف احادیث کلیتاً مسترد کرنے کے قابل نہیں ہیں بلکہ کسی نہ کسی درجہ میں وہ ضرور قبول کی جاتی ہیں اور محدثین کا یہی موقف امت میں متواتر چلا آ رہا ہے۔

احادیث کے ضُعف کا اختلاف

دوسری بات یہ کہ احادیث سے استدلال کے بارے میں احناف کا طرز کیا ہے اور ان کے ہاں اس کی درجہ بندی کیا ہے؟ یہ بات بھی ہمیں نظر انداز نہیں کرنی چاہیے۔ ہمارا استدلال کا اپنا ایک نظام ہے اور علمی وفقہی ڈھانچہ ہے جس کے اندر رہ کر ہم احادیث کی درجہ بندی کرتے ہیں اور اسی کے دائرے میں احادیث سے استدلال واستنباط کرتے ہیں۔ مثلاً ایک پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا کہ ہم عام طور پر حافظ ابن حزمؒ کے ایک قول کا حوالہ دیا کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ قیاس پر ضعیف حدیث کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ احناف کے ہاں ضعیف حدیث پر عمل ہوتا ہے اور اعمال میں بھی وہ اس درجہ میں قابلِ قبول ہے کہ اسے بسا اوقات قیاس پر ترجیح دی جا سکتی ہے۔

پھر یہ ضروری تو نہیں کہ جس حدیث کو ایک محدث ضعیف کہہ دیں تو وہ لازماً ضعیف ہی ہو۔ اور جس سند کے ساتھ حدیث کو ضعیف قرار دیا جا رہا ہے کسی دوسری سند یا سبب کے ساتھ وہ حدیث صحت کا درجہ حاصل نہ کر سکتی ہو۔ سند کے ضعف کا خلا پر کرنے کے لیے بہت سے دیگر اسباب بھی موجود ہیں، اس لیے یہ کہہ دینا کہ کوئی بھی ضعیف حدیث کسی درجہ میں بھی قابلِ قبول نہیں، درست بات نہیں ہے۔ ہمیں اس کمزور موقف سے مرعوب نہیں ہونا چاہیے بلکہ پورے اعتماد کے ساتھ اپنے علمی اور متوارث موقف پر قائم رہتے ہوئے اس کا دفاع کرنا چاہیے۔

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی جامع تحریر

میری گزارش یہ ہے کہ حنفی علماء کرام کو احادیث سے استدلال کے حوالہ سے اپنے علمی اور فقہی موقف سے واقف ہونا چاہیے اور اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ فقہائے احناف نے ہر دور میں اس پر بات کی ہے اور اپنا علمی موقف واضح کیا ہے۔ اگر تفصیلی مطالعہ اور استفادہ کا موقع نہ مل سکے تو ہمارے فاضل دوست مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے نماز کے بارے میں صاحبزادہ قاری عبدالباسط صاحب آف جدہ کی کتاب پر جو مقدمہ تحریر کیا ہے وہ بہت جامع تحریر ہے اور اس موضوع پر احناف کے مجموعی موقف اور طرز استدلال کا کم وبیش احاطہ کرتی ہے۔ میرے خیال میں اس کا مطالعہ اس موضوع سے دلچسپی رکھنے والے ہر عالمِ دین کے لیے ضروری ہے بلکہ اگر اسے درسِ نظامی کے نصاب میں طلبہ کو

طحاوی شریف کے ساتھ سبقاً سبقاً پڑھا دیا جائے تو اس کا بہت فائدہ ہوگا۔

میں نے اصولی طور پر یہ بات عرض کی کہ ضعیف حدیث کے قابلِ استدلال ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں بعض متشددین کے موقف سے مرعوب ہونے اور اپنے موقف میں لچک پیدا کرنے، یا اس کی بنیاد پر کیے جانے والے اعتراضات کو من وعن قبول کر کے دفاعی پوزیشن اختیار کر لینے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ پورے اعتماد کے ساتھ اپنے موقف پر قائم رہنے اور کمزور اعتراضات کو مسترد کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات چونکہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کی کتاب فضائلِ اعمال کے بارے میں ہو رہی ہے اس لیے اس کتاب کی افادیت کے ایک اور پہلو کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔

”فضائلِ اعمال“ کی افادیت

گزشتہ دنوں جرمنی کے ایک اسکالر نے جن کا نام مشکل ہونے کی وجہ سے اس وقت میرے ذہن میں نہیں آرہا، اپنی ایک تحقیق اور ریسرچ کا موضوع اس بات کو بنایا کہ برصغیر پاک و ہند و بنگلہ دیش میں ۱۸۵۷ء کے بعد جو نئے فقہی اور مسلکی حلقے وجود میں آئے اور اہلِ سنت میں دیوبندی، بریلوی اور اہلِ حدیث کے نام سے جو نئی تقسیم ہوئی، ان میں سے کون سے فقہی مسلکی دائرے نے عالمگیریت اختیار کی ہے؟ ان کا کہنا ہے کہ اہلِ حدیث اور بریلوی دنیا کے مختلف ممالک میں پائے جاتے ہیں اور کام کر رہے ہیں لیکن یہ انہی افراد اور خاندانوں پر مشتمل ہیں جو جنوبی ایشیا سے ترکِ وطن کر کے ان ممالک میں آباد ہوئے ہیں، جبکہ جنوبی ایشیا کے نسلی دائرہ سے باہر وہ اپنا حلقہ نہیں بنا سکے۔ لیکن دیوبندی مکتبِ فکر نے جنوبی ایشیا کے نسلی اور قومی دائروں سے ہٹ کر بھی اثر و رسوخ قائم کیا ہے اور اپنا حلقہ وسیع کیا ہے۔ اس لیے ان میں سے صرف دیوبندی حلقہ عالمگیریت اور انٹرنیشنل ماحول میں قدم رکھنے میں کامیاب ہو سکا ہے۔ اس جرمن اسکالر کا موقف ہے اور انہوں نے لکھا ہے کہ دیوبندی دائرہ میں اس وسعت کا بڑا سبب تبلیغی جماعت اور اس کے ساتھ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کی کتاب فضائلِ اعمال ہے جو غیر ایشیائی نسلوں اور قوموں میں اسلام کے ساتھ ساتھ دیوبندیت کے فروغ کا ذریعہ بھی بنی ہے۔ یہ جرمن اسکالر چند ماہ قبل اسلام آباد تشریف لائے تھے اور بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے شعبہ دعوۃ اکیڈمی کے زیر اہتمام ایک سیمینار سے خطاب کے دوران انہوں نے یہ موقف پیش کیا تھا۔

اس لیے گبھرانے کی بات نہیں ہے، فضائلِ اعمال جہاں بعض اعتراضات کا ہدف بن رہی ہے وہاں اس کی افادیت اور کردار کو بھی بین الاقوامی حلقوں میں کھلے دل کے ساتھ تسلیم کیا جارہا ہے۔......

تمام علومِ دینیہ کا سر چشمہ حدیثِ نبویؐ ہے

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۲ ستمبر ۲۰۱۲ء)

رمضان المبارک اور عید الفطر کی مصروفیات ختم ہونے کے ساتھ ہی دینی مدارس میں نئے تعلیمی سال کے آغاز کی تیاری شروع ہوگئی ہے اور بعض مدارس اپنی سرگرمیوں کا آغاز بھی کر چکے ہیں۔ گزشتہ روز محلہ رسول پورہ گوجرانوالہ کے مدرسہ آسیہ للبنات میں بخاری شریف کے سبق کا آغاز تھا، اس موقع پر جو گزارشات پیش کیں ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

علومِ عالیہ اور علومِ آلیہ

بعد الحمد والصلوۃ۔ دینی مدارس میں نئے تعلیمی سال کی سرگرمیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے اور آج آپ کے مدرسہ میں اسی سلسلہ میں یہ تقریب ہے۔ دینی مدارس کے نصاب تعلیم میں قرآن کریم، حدیث و سنت اور فقہ اسلامی علومِ مقصودہ ہیں جنہیں ''علومِ عالیہ'' کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔ جبکہ باقی علوم و فنون مثلاً صرف و نحو، لغت، ادب، معانی اور منطق وغیرہ ان علوم تک رسائی کا ذریعہ ہیں اور ان کے ذریعے علومِ عالیہ کو سمجھنے کی صلاحیت و استعداد پیدا کی جاتی ہے، اس لیے یہ ''علومِ آلیہ'' کہلاتے ہیں۔ علومِ عالیہ تو وحی اور اس سے استنباط کی بنیاد پر ہر دور میں یکساں رہے ہیں اور ہمیشہ وہی رہیں گے، لیکن علومِ آلیہ میں وقت گزرنے کے ساتھ زمانے اور حالات کے مطابق ردوبدل ہوتا آرہا ہے اور آئندہ بھی اس کا سلسلہ جاری رہے گا۔

دین کی ہر بات حدیث سے حاصل ہوتی ہے

آج چونکہ ہم بخاری شریف کے سبق کا آغاز کر رہے ہیں اس لیے حدیثِ نبویؐ اور بخاری شریف کے حوالہ سے میں کچھ معروضات پیش کروں گا تاکہ بچیوں کے ذہن میں ہو کہ وہ کونسے علم کی تعلیم حاصل کر رہی ہیں؟ اور جو کتاب انہوں نے آج شروع کی ہے اس کا درجہ و مقام کیا ہے؟ جہاں تک

حدیثِ نبویؐ کا تعلق ہے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یہ تمام علومِ دینیہ کا ماخذ اور سرچشمہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دین کی ہر بات ہمیں حدیث کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، حتیٰ کہ قرآن کریم بھی ہمیں حدیثِ نبویؐ کے واسطے سے ملا ہے، مثلاً

- ہمارا یقین ہے کہ قرآن کریم کی ابتدائی پانچ آیات سورۃ العلق کی پہلی آیات ہیں جنہیں نزولی اعتبار سے قرآن کریم کی پہلی آیات کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ آیات ہم تک غارِ حرا کے واقعہ کی روایات کے ذریعے پہنچی ہیں جو حدیث کہلاتی ہیں۔ اگر غارِ حرا کے واقعہ پر ایمان ہو تو پہلی وحی پر ایمان بنتا ہے، ورنہ اس پہلی وحی تک رسائی کے لیے ہمارے پاس اور کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔
- اسی طرح یہ بات ہم مانتے ہیں کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات منسوخ ہوگئی تھیں جو تلاوت میں تو موجود ہیں مگر حکماً منسوخ ہو چکی ہیں۔ یہ ساری تفصیلات ہمیں حدیثِ نبویؐ سے ملتی ہیں، اگر حدیثِ نبویؐ موجود نہ ہو تو یہ معلومات کسی اور ذریعے سے ہمیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔
- اسی طرح جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ کے سینکڑوں ارشادات بیان فرمائے ہیں جو ''احادیثِ قدسیہ'' کہلاتے ہیں۔ آنحضرتؐ ''قال اللہ تعالیٰ'' اور ''یقول اللہ تعالیٰ'' کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے بہت سے ارشادات روایت کرتے ہیں لیکن وہ قرآن کریم کا حصہ نہیں ہیں۔ یہ فرق بھی ہمیں حدیثِ نبویؐ کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ جناب رسول اللہ نے ''قال اللہ تعالیٰ'' کے عنوان کے ساتھ جو ارشاداتِ ربانی بیان فرمائے ہیں ان میں سے کون سا ارشاد قرآن کریم کا حصہ ہے اور کون سا ارشاد ''حدیثِ قدسی'' کے دائرے میں آتا ہے۔

اسی بنا پر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حدیثِ نبویؐ تمام علومِ دینیہ کا ماخذ اور سرچشمہ ہے۔ اسی سے ہمیں قرآن کریم کے بارے میں ضروری معلومات ملتی ہیں، اسی سے ہمیں سنت ملتی ہے، اور اسی کے ذریعے ہماری فقہ تک رسائی ہوتی ہے۔

بخاری شریف کی جامعیت

بخاری شریف احادیثِ نبویہؐ کا سب سے مستند مجموعہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ میں وہ قبولیت عطا فرمائی ہے جو حدیث کے دوسرے مجموعوں کو حاصل نہیں ہوئی۔ اور اس میں امام بخاریؒ کے خلوص، محنت اور للّٰہیت کے ساتھ ساتھ بخاری شریف کی جامعیت کا بھی دخل ہے کہ امام بخاریؒ نے اس میں بہت سے علوم کو یکجا کر دیا ہے۔

- عام طور پر بخاری شریف کو حدیث کی کتاب سمجھ کر پڑھایا جاتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بنیادی طور پر یہ حدیث ہی کی کتاب ہے لیکن امام بخاریؒ نے اس میں تفسیرِ قرآن کریم کا بہت بڑا ذخیرہ جمع کر دیا ہے۔ بخاری شریف کے باب کتاب التفسیر سے قطع نظر عام تراجم ابواب میں بھی قرآن کریم کی آیات والفاظ کی تفسیر وتشریح کا بے پناہ ذخیرہ موجود ہے۔
- اس کے ساتھ یہ فقہ واستنباط کی کتاب ہے کہ اس میں امام بخاریؒ نے قرآن کریم کی آیات اور احادیثِ نبویہؐ سے استنباط کا جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ امام موصوف کے مجتہدانہ مقام اور علمی کمال کا ایک مستقل باب ہے۔
- پھر امام بخاریؒ محدث، مجتہد اور مفسر ہونے کے ساتھ ساتھ بلند پایہ مؤرخ بھی ہیں اور انہوں نے اہم تاریخی واقعات کو جس ذوق اور اہتمام کے ساتھ بیان کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔

میرا عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بخاری شریف کو پڑھتے اور پڑھاتے ہوئے یہ ساری باتیں ذہن میں رہیں گی تو اس سے صحیح استفادہ ہو سکے گا، اس لیے بخاری شریف پڑھانے والے اساتذہ اور پڑھنے والے طلبہ وطالبات سے گزارش کر رہا ہوں کہ وہ حدیث، فقہ، تفسیر اور تاریخ کی اس عظیم کتاب کو اس کے موضوعات کے وسیع تر تناظر میں پڑھنے کی کوشش کریں تاکہ ہم علوم کے اس ذخیرے سے کماحقہ استفادہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

حدیثِ نبویؐ: فقہی مجادلہ اور عصری مسائل

(۱۰ اپریل ۲۰۱۴ء کو جامع مسجد پراچہ منچن آباد میں خطاب۔ روزنامہ اسلام ۱۵ اپریل ۲۰۱۴ء)

جمعرات کو منچن آباد ضلع بہاولنگر میں عشاء کے بعد جامع مسجد پراچہ میں سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت و منقبت پر سیمینار تھا۔ جامعہ اشرفیہ لاہور کے استاذِ محترم مولانا حافظ زاہد علی ملک اور مولانا محمد افضال نے بھی ساتھ جانا تھا۔ اس لیے ترتیب یہ بنی کہ میں اسباق سے فارغ ہو کر جامعہ اشرفیہ پہنچ جاؤں گا اور وہاں سے اکٹھے منچن آباد کے لیے روانہ ہوں گے۔ جامعہ اشرفیہ پہنچا تو مولانا حافظ زاہد علی ملک نے فرمائش کی کہ ظہر کے بعد ان کا سبق ہوتا ہے، وہ میں پڑھا دوں، پھر چلیں گے۔ سبق ''شرح نخبۃ الفکر'' کا تھا۔ ان کے حکم کی تعمیل میں کچھ گزارشات کلاس میں پیش کیں، جن کا خلاصہ نذرِ قارئین ہے۔

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ آپ کے استاذ محترم کا حکم ہے کہ آج کا سبق میں پڑھاؤں، کتاب کا سبق تو نہیں پڑھاؤں گا تاکہ آپ کا تسلسل متاثر نہ ہو، البتہ چونکہ اصولِ حدیث کا سبق ہے اس لیے اسی حوالہ سے کچھ طالب علمانہ باتیں گوش گزار کر دیتا ہوں۔

دلائلِ شرعیہ میں حدیثِ نبویؐ

حدیث کو ہمارے ہاں علومِ دینیہ کی ایک قسم کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور وہ بلاشبہ دلائلِ شرعیہ

(۱) قرآن کریم (۲) حدیث وسنت (۳) اجماع (۴) اور قیاس

میں ایک اہم دلیل شرعی ہے۔ لیکن حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے حدیث کا تعارف اس سے وسیع تناظر میں کرایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حدیثِ نبویؐ تمام علومِ دینیہ کا اصل ماخذ اور منبع ہے اور اسی سے ہمیں قرآن و سنت سمیت تمام علومِ شرعیہ حاصل ہوتے ہیں۔ اس کی مثال کے طور پر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ قرآن کریم تک ہماری رسائی کا ذریعہ بھی حدیث ہے۔ جیسا کہ ہم میں سے ہر شخص

جانتا ہے کہ قرآن کریم کی سب سے پہلی وحی سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات ہیں۔ لیکن یہ آیات ہمیں غارِ حرا کے واقعہ سے معلوم ہوئی ہیں جو جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا اور صحابہ کرامؓ نے اسے روایت کیا۔ چنانچہ قرآن کریم کی پہلی پانچ آیات کا علم ہمیں حدیث کی روایت کے ذریعہ حاصل ہوا۔ یہی صورتحال قرآن کریم کی باقی آیات، ترتیب اور سورتوں کی ہے۔ اس لیے حدیثِ نبویؐ کے طلبہ سے میری گزارش ہے کہ وہ اسے وسیع تناظر میں پڑھیں۔ دلائلِ اربعہ میں سے ایک دلیل کی حیثیت سے بھی اور تمام علومِ دینیہ کے اصل ماخذ اور اساس کی حیثیت کو بھی سامنے رکھیں۔

فقہی مجادلہ اور امام ابو جعفر طحاویؒ

دوسری گزارش حدیثِ نبویؐ کے طلبہ سے یہ ہے کہ ہمارے ہاں حدیث کی کتابیں پڑھتے اور پڑھاتے ہوئے فقہی مجادلہ کا ذوق غالب رہتا ہے اور ہم زیادہ تر فقہی اختلافات اور ان میں اپنی ترجیحات پر وقت صرف کرتے ہیں۔ مجھے اس کی ضرورت اور اہمیت سے انکار نہیں ہے بلکہ میں خود بھی ایسا کرتا ہوں۔ لیکن فقہی مجادلہ اور احکام و مسائل کی ترجیحات کی بحث میں ہمارے لیے امام ابو جعفر طحاویؒ بہترین نمونہ اور آئیڈیل ہیں۔ ہمیں ان کا اسلوب پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ وہی اسلوب ہماری اصل ضرورت ہے اور وہی فقہی مجادلہ کا صحیح معیار بھی ہے۔

- امام طحاویؒ کسی بھی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اس سے متعلقہ تمام موقف بیان کرتے ہیں، اور ان کے دلائل کا تفصیل کے ساتھ تذکرہ کر کے ان کا تجزیہ کرتے ہیں، اور پھر اپنی ترجیحات کو دلائل کے ساتھ واضح کر کے حنفی موقف بیان کرتے ہیں۔
- اور دوسری بات وہ یہ کرتے ہیں کہ وہ کسی جگہ بھی یہ نہیں فرماتے کہ احناف کا موقف یہ ہے اور قرآن و حدیث اس کی تائید کر رہے ہیں، بلکہ احادیث سے ایک موقف ثابت کر کے آخر میں فرماتے ہیں کہ احناف کا موقف بھی یہی ہے۔

یہ ایک ایسا حکیمانہ طرزِ عمل ہے جو بہت سی الجھنوں کا خود ہی حل بن جاتا ہے اور میرے خیال میں آج بھی اسی ذوق اور طرزِ عمل کو عام کرنے کی ضرورت ہے۔

عصری مسائل کا حل حدیثِ نبویؐ سے

تیسری بات حدیثِ نبویؐ کے طلبہ سے یہ عرض کروں گا کہ احادیث کی تعلیم و تدریس میں فقہی احکام کے مباحث کے ساتھ ساتھ معاشرتی ضروریات اور عصر حاضر کے مسائل کو سامنے رکھ کر حدیث سے اس کا حل پیش کرنا بھی ایک اہم دینی ضرورت ہے۔ ہم فقہی مجادلہ کے ابواب سے ہٹ کر باقی ابواب کی طرف پوری توجہ نہیں دیتے جس کی بہت اہمیت اور ضرورت ہے۔ اس لیے زندگی کے تمام شعبوں کو سامنے رکھتے ہوئے ان سے متعلقہ مسائل و ضروریات پر حدیثِ نبویؐ کے اطلاق اور تطبیق کا ذوق بھی عام ہونا چاہیے۔ اس میں حضرت امام بخاریؒ کا استنباط و استخراج کا اسلوب ہم سب کے لیے راہنما کی حیثیت رکھتا ہے، جسے ہم ترجمۃ الباب سے حدیث کا تعلق کے عنوان سے پیش کرتے ہیں، جبکہ اس کی زیادہ صحیح تعبیر یہ ہے کہ امام بخاریؒ کا استدلال، استنباط اور استخراج کا ذوق کیا ہے اور آج کے دور میں اس سے کیسے راہ نمائی حاصل کی جا سکتی ہے۔

مثال کے طور پر یہ عرض کروں گا کہ حضرت امام بخاریؒ نے کتاب النکاح کی آخری روایت کے طور پر حضرت ام المومنین عائشہؓ کی طویل حدیث کا ایک مختصر جملہ بیان کیا ہے کہ میرے والد محترم حضرت ابوبکرؓ نے مجھے ڈانٹ ڈپٹ کی اور مکے بھی مارے، مگر میں حرکت نہیں کر رہی تھی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر رکھے سو رہے تھے اور میں ان کی نیند خراب نہیں کرنا چاہتی تھی۔

امام بخاریؒ نے لمبی روایت کا اتنا حصہ نقل کر کے اس پر عنوان یہ قائم کیا ہے کہ کیا باپ غصے میں اپنی بیٹی کو ڈانٹ ڈپٹ سکتا ہے اور مکہ وغیرہ بھی مار سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ حدیث کے اس ٹکڑے کو اس کے جواز کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ مگر اس میں ایک طالب علمانہ اضافہ یہ بھی ہے کہ حدیث کا یہ حصہ کتاب النکاح کے آخر میں کیوں لایا گیا ہے؟ یہ اس لیے ہے کہ امام بخاریؒ یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ بیٹی شادی شدہ ہو کر اپنے گھر بار والی ہو جائے تب بھی باپ کا ڈانٹ ڈپٹ کا حق باقی رہتا ہے۔

اس لیے حدیث کے طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ تعلیم و تدریس میں ان امور کو بھی سامنے رکھیں تاکہ حدیثِ نبویؐ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔

حدیث وسنت کی اہمیت
اور امام بخاریؒ کا اسلوبِ استدلال

(۱۷ رجب ۱۴۳۵ھ / ۱۷ مئی ۲۰۱۴ء کو جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں بخاری شریف کے آخری سبق کی تقریب سے خطاب)

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ سب سے پہلے ان طلبہ و طالبات کو مبارک باد دینا چاہوں گا جو آج بخاری شریف کا آخری سبق پڑھ کر درسِ نظامی کے نصاب اور دورۂ حدیث کی تکمیل کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا پڑھنا ان کے لیے، ان کے والدین کے لیے، اساتذہ کے لیے، ان کے ساتھی طلبہ کے لیے، اور جامعہ کے منتظمین و معاونین سب کے لیے دنیا و آخرت کی کامیابیوں، برکتوں، سعادتوں اور خوشیوں کا ذریعہ بنائے، آمین یارب العالمین۔

یہ گلشنِ علم ہمارے بزرگوں کا، حضراتِ شیخین کریمین حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ، حضرت مولانا صوفی عبد الحمید خان سواتیؒ اور ان کے رفقاء و معاونین کا لگایا ہوا ہے جس کی آبیاری انہوں نے زندگی بھر بڑی محنت اور ذوق کے ساتھ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر سے نوازیں، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں اور ہم سب کو اس گلشن کی آبیاری کرتے رہنے کی توفیق دیں، آمین یا رب العالمین۔ ابھی ایک عزیز طالب علم نے بخاری شریف کے آخری باب اور حدیث کی قراءت کی ہے، اس کے بارے میں مختصراً کچھ عرض کروں گا لیکن اس سے پہلے تمہید کے طور پر چند باتیں عرض کرنا مناسب خیال کرتا ہوں۔

مدارس کے جزیرے اور معاشرہ کا سمندر

عزیز طلبہ اور طالبات سے گزارش ہے کہ مدرسہ کے ماحول میں چند سال گزارنے کے بعد اب وہ عملی زندگی میں قدم رکھیں گے تو انہیں ایک نئے ماحول کا سامنا کرنا ہوگا، بہت سی نئی باتیں دیکھنے میں

آئیں گی اور تغیرات محسوس ہوں گے۔ وہ مدرسہ کے محدود ماحول سے نکل کر سوسائٹی کے وسیع ماحول میں داخل ہو رہے ہیں جسے میں یوں تعبیر کیا کرتا ہوں کہ وہ جزیرہ سے نکل کر سمندر میں کود رہے ہیں۔ ہمارے مدارس انسانی سوسائٹی کے اس وسیع سمندر میں علمی، تہذیبی اور دینی حوالوں سے جزیروں کی حیثیت رکھتے ہیں جہاں ہم چند سال گزارتے ہیں، لیکن جب کھلے سمندر میں جاتے ہیں تو بالکل اجنبی سا ماحول ملتا ہے اور عجیب و غریب قسم کی مخلوقات سے سابقہ پڑتا ہے۔ زبان، لہجہ، اسلوب، روایات واقدار اور روز مرہ معمولات کا بہت سا فرق سامنے آتا ہے۔ اس کا حل یہ نہیں کہ ہم راہِ فرار اختیار کریں اور مسائل و ضروریات سے آنکھیں بند کر کے کنارہ کشی کی زندگی اختیار کر لیں، بلکہ ہماری ذمہ داری ہے کہ ہم مسائل کا سامنا کریں، معاشرتی ضروریات کو محسوس کریں، نئے ماحول سے مانوس ہونے کی کوشش کریں، لوگوں کی نفسیات کو سمجھ کر اور ان کی زبان و اسلوب سے واقف ہو کر ان کی علمی و عملی راہنمائی کا اہتمام کریں۔

حدیثِ نبویؐ اور آج کے سوالات

نئے ماحول سے مانوس ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خود بھی اس کا رنگ اختیار کر لیں بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنی اصل اور اساس پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہتے ہوئے ماحول اور اس کی ضروریات کو سمجھنے کی کوشش ضرور کریں تاکہ لوگوں کی صحیح راہنمائی کر سکیں۔ مثال کے طور پر عرض کروں گا کہ آپ نے بخاری شریف کی آخری روایت پڑھی ہے، یہ حدیثِ نبویؐ کی کتاب ہے، امام بخاریؒ نے بڑی محنت اور ذوق و شوق کے ساتھ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث و سنن کا ایک مستند ذخیرہ مرتب کیا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اس درجہ قبولیت سے نوازا ہے کہ ہر طبقہ میں، ہر زمانہ میں اور ہر علاقہ میں مسلسل پڑھی اور پڑھائی جا رہی ہے۔ حدیثِ مبارکہ کے بارے میں مدرسہ کے ماحول میں آپ نے جو مباحث پڑھے ہیں، وہ آج کے اس مقام تک پہنچنے کے لیے انتہائی ضروری تھے، لیکن مدرسہ کے ماحول سے باہر نکل کر آپ کو ان مباحث سے سابقہ در پیش نہیں ہو گا، بلکہ اس سے مختلف مباحث اور سوالات آپ کے سامنے آئیں گے۔ یہاں تو آپ نے یہ پڑھا ہے کہ حدیث صحیح کون سی ہے اور ضعیف کیا ہوتی ہے؟ حدیث کے مدارج کیا ہیں؟ ان کی صحت وضعف کے اسباب و علل کیا ہیں؟ اور اس کو جانچنے کے معیارات کیا ہیں؟ لیکن جب آپ عام سوسائٹی میں جائیں گے تو آپ

کو اس سے مختلف سوالات کا سامنا کرنا ہوگا اور آپ کو اس قسم کے سوالات سننے کو ملیں گے کہ:

- کیا حدیث پر ایمان لانا ضروری ہے؟
- کیا قرآن فہمی کے لیے حدیث کی ضرورت ہے؟
- کیا حدیث عقائد میں بھی حجت ہے؟
- اور کیا حدیث قانون و حکم کا خود بھی ماخذ ہے؟ وغیر ذٰلک

میں بات کو سمجھانے کے لیے ان سوالات کا مختصراً جائزہ لینا چاہوں گا:

قرآن و حدیث پر ایمان کی ترتیب

یہ سوال آج کل عام ہونے لگا ہے کہ کیا قرآن کریم پر ایمان لانے کے بعد حدیث پر ایمان لانا بھی ضروری ہے؟ میں اس کے جواب میں عرض کیا کرتا ہوں کہ قرآن کریم کے بعد نہیں بلکہ اس سے پہلے حدیث پر ایمان لانا ضروری ہے، اس لیے کہ قرآن کریم ہمیں حدیث کے ذریعے ملا ہے اور حدیث سے ہٹ کر قرآن کریم تک رسائی کا ہمارے پاس اور کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔ مثلاً ہم سب مانتے ہیں کہ قرآن کریم کی سب سے پہلی وحی "اقرأ باسم ربک الذی خلق والی" پانچ آیات ہیں، لیکن یہ آیات ہمیں غارِ حرا کے واقعہ کے ذریعے ملی ہیں، اگر غارِ حرا کا واقعہ ہے تو یہ پانچ آیات بھی ہیں اور اگر غارِ حرا کا واقعہ نہیں ہے تو یہ پانچ آیات معلوم کرنے کا اور کوئی ذریعہ ہمارے پاس موجود نہیں۔ غارِ حرا کے واقعہ کی روایت حدیث کہلاتی ہے، اس لیے پہلے ہمیں حدیث پر ایمان لانا ہوگا اس کے بعد قرآن کریم پر ایمان کی بات ہوگی، حدیث پر ایمان نہیں ہوگا تو قرآن کریم پر ایمان لانا ممکن ہی نہیں ہے۔

قرآن فہمی میں حدیث کی اہمیت و ضرورت

یہی صورتحال قرآن فہمی میں حدیث کی اہمیت و ضرورت کے حوالہ سے بھی ہے کہ قرآن کریم کی کسی آیت، جملہ یا لفظ میں اللہ تعالیٰ کی منشا و مراد سے واقفیت حدیث کے بغیر ممکن نہیں ہے، یہ بات اصولاً بھی ہے اور واقعاتی تناظر میں بھی ہے۔ اصولاً اس لیے کہ قرآن کریم کا متکلّم اللہ تعالیٰ ہے، کسی بھی کلام کی وضاحت کا پہلا حق متکلّم کا ہوتا ہے اور وہی اپنے کلام کی وضاحت کی سب سے بڑی اتھارٹی ہوتا ہے۔ وحی کا دروازہ بند ہوجانے کے باعث اب اللہ تعالیٰ سے تو کسی آیت کا مطلب نہیں

پوچھا جا سکتا لیکن جناب نبی اکرمؐ اللہ تعالیٰ کے رسول اور نمائندہ کی حیثیت سے یہ اتھارٹی رکھتے ہیں کہ ان کی وضاحت کو اللہ تعالیٰ کی وضاحت سمجھا جائے، اور وہ قرآن کریم کے کسی جملہ یا لفظ کی جو تشریح اپنے قول یا عمل کے ساتھ کریں اسے اللہ تعالیٰ کی منشا اور مراد قرار دیا جائے، امت نے ہمیشہ یہی کیا ہے۔ واقعاتی تناظر میں اس طرح کہ صحابہ کرامؓ کو جب کسی آیت قرآنی کے سمجھنے میں دقت ہوتی تھی یا کوئی مغالطہ ہو جاتا تھا تو وضاحت کے لیے نبی کریمؐ سے رجوع کیا جاتا تھا اور آپؐ کی وضاحت کو حتمی تصور کیا جاتا تھا۔ اس کی بیسیوں مثالیں احادیث میں موجود ہیں اور بخاری شریف میں بھی آپ حضرات نے بہت سے واقعات پڑھے ہیں کہ کسی صحابیؓ کو قرآن کریم کی کوئی آیت سمجھنے میں دشواری ہوئی تو اس نے جناب نبی اکرمؐ سے دریافت کر کے اطمینان حاصل کر لیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وضاحت

ان میں سے ایک واقعہ کی طرف توجہ دلانا چاہوں گا کہ آنحضرتؐ کے وصال کے بعد سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کو مختلف اطراف سے باغیوں کا سامنا کرنا پڑا اور آپ نے مرتدین، منکرینِ ختمِ نبوت، اور منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد شروع کر دیا تو کچھ ذہنوں میں اشکال پیدا ہوا کہ قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے کہ "یا ایھا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم" اے ایمان والو! تم پر لازم ہے کہ اپنا فکر کرو، کوئی اگر گمراہ ہوتا ہے تو تمہیں اس کا کوئی نقصان نہیں ہے اگر تم ہدایت پر قائم ہو۔ اس آیتِ کریمہ کے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے منکرینِ ختمِ نبوت اور منکرینِ زکوٰۃ کے خلاف جہاد کی وجہ سمجھ سے بالاتر ہو جاتی ہے۔ چنانچہ بخاری شریف کی روایت کے مطابق حضرت صدیق اکبرؓ نے خطبۂ جمعہ میں اس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ لوگو! اس آیت کی وجہ سے کسی مغالطہ میں نہ پڑ جانا کیونکہ میں نے جناب نبی اکرمؐ سے سنا ہے، آپؐ نے فرمایا کہ اے ایمان والو! امر بالمعروف کرتے رہو اور نہی عن المنکر کا سلسلہ جاری رکھو حتیٰ کہ ایک وقت آئے گا جب ہر طرف خواہش پرستی اور بخل کا دور دورہ ہو گا اور اپنا ایمان بچانا مشکل ہو جائے گا، اس وقت تمہاری ذمہ داری ہو گی کہ اپنے ایمان کی فکر کرو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ "علیکم أنفسکم" کا محل عام حالات نہیں بلکہ فتنوں کے عروج کا دور ہے۔

حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ کی وضاحت

اسی طرح ترمذی شریف میں روایت ہے کہ ایک صاحب نے حضرت ابوثعلبہ خشنیؓ سے اسی آیت کے بارے میں پوچھا کہ اگر ہم پر صرف اپنی فکر کرنا لازم ہے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور ظالم و جابر کے سامنے کلمۂ حق کہنے کا کیا مطلب ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ "علی الخبیر سقطت" جاننے والے پر گرے ہو یعنی اس شخص سے پوچھا ہے جو اس کی حقیقت کو جانتا ہے، اس لیے کہ اس آیتِ کریمہ کے بارے میں یہی اشکال مجھے بھی ہوا تھا اور میں نے جناب نبی اکرمؐ سے پوچھ لیا تھا۔ اس سوال کے جواب میں جناب نبی اکرمؐ نے وہی کچھ فرمایا جو حضرت صدیق اکبرؓ کے حوالہ سے ہم نے بیان کر دیا ہے۔

عقائد و ایمانیات اور حدیثِ نبویؐ

اب آتے ہیں اس سوال کی طرف کہ کیا عقائد میں بھی حدیثِ رسولؐ حجت ہے اور کسی حدیث پر بھی عقیدہ کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے؟ یہ سوال آج کل عام طور پر ہوتا ہے اور بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ عقیدہ صرف قرآن کریم سے لیں گے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی وضاحت

میں اس سلسلہ میں مسلم شریف کتاب الایمان کی روایت کا ذکر کروں گا جس میں مشہور تابعی حضرت یحییٰ بن یعمرؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں کچھ لوگوں کے پروپیگنڈے کی وجہ سے تقدیر کے عقیدہ کے بارے میں تردد ہونے لگا تھا، ہم دو ساتھی حج پر جا رہے تھے، ہم نے دعا کی کہ کسی بزرگ صحابی سے اس سفر میں ملاقات ہو جائے تاکہ ہم ان سے تسلی کر لیں، حسنِ اتفاق سے ہمیں حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوگئی اور ہم نے ان سے عرض کیا کہ ہمارے علاقہ میں کچھ لوگ کہتے ہیں کہ تقدیر کا کوئی عقیدہ نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے ایسے لوگوں سے بیزاری کا اظہار فرمایا اور پھر وہ مشہور حدیثِ جبریل سنائی جس میں جناب نبی اکرمؐ نے "وما الایمان؟" کے سوال کے جواب میں ایک جملہ یہ فرمایا ہے کہ "وأن تؤمن بالقدر خیرہ وشرہ"۔ یہاں ایک نکتہ پر غور ضروری ہے کہ عقیدہ میں تردد کے موقع پر وضاحت کے لیے صحابی رسولؐ سے رجوع کیا گیا ہے اور

انہوں نے عقیدہ کے اثبات میں حدیثِ رسولؐ پیش کی ہے، یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا منہج اور اصول ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی وضاحت

ایک اور تابعی حضرت یزید الفقیرؒ کی روایت بھی آپ حضرات نے پڑھی ہے کہ انہیں اور ان کے چند ساتھیوں کو شفاعت کے بارے میں تردد ہو گیا لیکن حج سے واپسی پر مدینہ منورہ سے گزر ہوا تو حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی مجلس میں شرکت کی سعادت مل گئی۔ حضرت جابرؓ شفاعت کا ذکر کر رہے تھے اور ان حضرات کے ذہنوں میں یہ تردد اس قدر راسخ ہو چکا تھا کہ ایک صاحب نے اٹھ کر سوال کر دیا کہ حضرت! آپ کون سی شفاعت کی بات کر رہے ہیں جبکہ قرآن کریم کا ارشاد ہے کہ دوزخ والے وہاں سے نکلنا چاہیں گے لیکن نکل نہیں سکیں گے۔ حضرت جابرؓ نے اس کے جواب میں شفاعت کی تفصیلی حدیث سنائی، جس پر حضرت یزید الفقیرؒ اور ان کے چند ساتھیوں نے یہ کہہ کر اپنا مغالطہ دور کر لیا کہ حضرت جابرؓ بزرگ صحابی ہیں، وہ حدیث سنا رہے ہیں تو جھوٹ نہیں بول رہے اور جب نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ ان کی شفاعت کی وجہ سے بہت سے لوگ جہنم سے نکالے جائیں گے تو یہی بات درست ہے۔ یہاں بھی عقیدہ کی وضاحت صحابیٔ رسول کر رہے ہیں اور اس کے ثبوت میں انہوں نے حدیث پیش کی ہے۔

احکام و قوانین اور حدیثِ نبویؐ

اب میں آخری سوال کی طرف آتا ہوں کہ کیا حدیث بھی قانون اور حکم کا ماخذ ہے؟ اور کیا قرآن کریم کی طرح حدیث سے بھی احکام و قوانین اخذ کیے جا سکتے ہیں؟ اس سلسلہ میں عرض ہے کہ قرآن و حدیث دونوں شرعی احکام و قوانین کا ماخذ ہیں اور شریعت کے احکام دونوں سے یکساں طور پر لیے جاتے ہیں۔ بلکہ بہت سے احکام ایسے ہیں جو قرآن و حدیث دونوں کو ماخذ بنائے بغیر مکمل ہی نہیں ہوتے۔ مثلاً نماز ہے، جس کا حکم قرآن کریم میں ہے اور اس کی جابجا تاکید بھی ہے، لیکن نماز کی ترتیب اور دیگر تفصیلات قرآن کریم میں موجود نہیں ہے اور وہ معلوم کرنے کے لیے ہمیں حدیثِ نبویؐ سے ہی رجوع کرنا پڑتا ہے۔

اس کے بارے میں ایک دلچسپ واقعہ عرض کرنا چاہوں گا جس کی تفصیل تفسیر ابن کثیر میں ہے اور کچھ ذکر بخاری شریف میں بھی ہے کہ حضرت یعلی بن امیہؓ نے حضرت عمرؓ سے سوال کیا کہ قرآن کریم نے دورانِ سفر نماز قصر کرنے کا جو حکم دیا ہے اس کے ساتھ یہ شرط لگائی ہے کہ "ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا" اگر تمہیں خوف ہو کہ کافر تمہیں آزمائش میں ڈال دیں گے، یعنی اگر حالتِ جنگ میں کافروں کے حملے کا ڈر ہو تو چار رکعت کی بجائے دو پڑھ لو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قصر حالتِ خوف اور حالتِ جنگ میں ہے، مگر ہم حالتِ امن میں بھی سفر کے دوران قصر ہی کرتے ہیں، اس کا ثبوت کیا ہے؟ حضرت یعلی بن امیہؓ کے سوال پر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حجۃ الوداع کے سفر سے واپسی پر یہی اشکال مجھے بھی ہوا تھا اور میں نے جناب نبی اکرمؐ سے پوچھ لیا تھا کہ آج تو ہم ہر طرف سے امن میں ہیں اور کہیں سے کوئی خوف نہیں ہے تو ہم نمازیں قصر کیوں پڑھتے جا رہے ہیں؟ جناب نبی اکرمؐ نے بڑا دلچسپ جواب دیا کہ ”عمر! یہ اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہے، اسے قبول کرو“۔ یعنی ہمارے اس عمل پر اللہ تعالیٰ نے خاموشی اختیار کر کے اس کی توثیق فرما دی ہے تو اس کے بارے میں تردد نہ کرو، اس لیے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حکم اور مہربانی ہے۔

ایک بات پر غور کریں کہ ہم حدیث کی تعریف میں ”تقریری حدیث“ اس کو کہتے ہیں کہ صحابی نے کوئی بات کہی ہے یا عمل کیا ہے اور جناب نبی اکرمؐ نے معلوم ہونے کے بعد اس پر خاموشی اختیار کر لی ہے اور نکیر نہیں فرمائی، تو صحابی کا یہ قول اور فعل جناب نبی اکرمؐ کی حدیث اور سنت بن جاتا ہے۔ اسی طرح جناب نبی اکرمؐ نے کوئی بات فرمائی ہے یا عمل کیا ہے اور وحی کا سلسلہ جاری ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے سکوت فرما لیا ہے، تو نبی اکرمؐ کا قول اور عمل اللہ تعالیٰ کے حکم کا درجہ اختیار کر لیتا ہے۔ اور میری طالب علمانہ رائے میں ”وحی حکمی“ اسے ہی کہتے ہیں۔

اب نتیجہ یہ نکلے گا کہ حالتِ خوف اور جنگ کا قصر تو قرآن کریم نے بیان کیا ہے مگر حالتِ امن کے قصر کی بنیاد جناب نبی اکرمؐ کا عمل مبارک ہے، اور دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جبکہ ابوداؤد شریف کی وہ روایت تو آپ حضرات کے ذہن میں ضرور ہوگی کہ جناب نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ مجھے قرآن کریم کے علاوہ اور احکام بھی دیے گئے ہیں اور جس چیز کو میں حرام قرار دیتا ہوں وہ بھی اسی طرح حرام ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔

میں نے ان سوالات کا ذکر اس لیے کیا ہے کہ آپ کو عام سوسائٹی میں جانے کے بعد حدیثِ نبویؐ کے بارے میں اصطلاحی اور فنی سوالات کا سامنا نہیں ہو گا بلکہ اس سے مختلف قسم کے سوالات درپیش ہوں گے، جن میں سے چند ایک کا میں نے تذکرہ کیا ہے۔ اور ان میں ایک اور بات کا اضافہ کرنا چاہوں گا کہ قرآن کریم نے جناب نبی اکرمؐ کی حیاتِ مبارکہ کو ''اسوۂ حسنہ'' قرار دے کر عمومی زندگی میں ان کی اتباع کا حکم دیا ہے۔ اور جناب نبی اکرمؐ کی حیاتِ مبارکہ میں اوامر و نواہی اور احکام و قوانین کے علاوہ بہت سے پہلو ہیں، ان کو معلوم کرنے کا ذریعہ بھی ہمارے پاس صرف حدیثِ نبویؐ ہے۔ اس لیے میری آپ حضرات سے گزارش ہے کہ مدرسہ سے نکل کر باہر کے ماحول کو اجنبی جانتے ہوئے گھبراہٹ کا شکار نہ ہونا بلکہ حوصلہ و تدبر کے ساتھ حالات، ضروریات، اشکالات اور سوالات کا سامنا کرتے ہوئے سوسائٹی کی راہنمائی کی کوشش کرنا۔ البتہ اس کے لیے آپ کو مطالعہ کرنا ہو گا، تحقیق و تجزیہ کا ذوق پیدا کرنا ہو گا اور اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے رابطہ رکھنا ہو گا۔

امام بخاریؒ محدث بھی ہیں اور فقیہ بھی

اب میں اس حدیث کی طرف آتا ہوں جو ابھی ایک عزیز طالب علم نے بخاری شریف کے آخری سبق کے طور پر پڑھی ہے، زیادہ لمبی بات نہیں کروں گا ورنہ بہت کچھ کہنے کی گنجائش موجود ہے، صرف ایک دو پہلوؤں کی طرف توجہ دلاؤں گا کہ امام بخاریؒ کا اس کتاب میں شروع سے یہ اسلوب ہے کہ احادیث بھی بیان کرتے ہیں اور ان کے ساتھ ان احادیث میں سے اپنے ذوق کے مطابق جو مسائل مستنبط ہوتے ہیں ان کا بھی ذکر کرتے ہیں۔ حدیث کا متن اور سند بیان کرنا محدث کا کام ہے جبکہ احادیث سے مستنبط ہونے والے احکام بیان کرنا فقیہ کا کام ہوتا ہے۔ امام بخاریؒ محدث بھی ہیں اور فقیہ بھی ہیں، دونوں کام کرتے ہیں۔ احادیث بھی بیان کرتے ہیں اور ان سے جو مسائل نکلتے ہیں وہ بھی بیان کرتے ہیں، بلکہ انہوں نے مسائل زیادہ بیان کیے ہیں کیونکہ احادیث کی تعداد مسائل سے کم ہے۔ اسی طرح وہ پہلے مسئلہ بیان کرتے ہیں اور پھر اس کی مطابقت میں حدیث کا متعلقہ حصہ لاتے ہیں، یہ فقہی ترتیب ہے اور اسی وجہ سے بعض علماء حدیث کا کہنا ہے کہ بخاری شریف اصلاً فقہ کی کتاب ہے۔

جبکہ حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف چار علوم کا مجموعہ ہے: (۱) تفسیر (۲) حدیث

(۳) فقہ (۴) تاریخ۔ اور امام بخاریؒ نے ان چاروں علوم سے متعلقہ بیش بہا ذخیرہ اپنی اس عظیم کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

امام بخاریؒ نے آخری باب اور آخری حدیث میں بھی یہی اسلوب اختیار فرمایا ہے۔ ایک مسئلہ بیان کیا ہے، اس کی موافقت میں قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ ذکر کی ہے، اور دلیل میں ایک حدیثِ نبویؐ لائے ہیں۔ مسئلہ عقیدہ سے متعلق ہے کہ "ان اعمال بنی آدم واقوالھم یوزن" انسانوں کے اعمال اور اقوال دونوں قیامت کے دن ترازو پر تولے جائیں گے۔ یہ مسئلہ بیان کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ امام بخاریؒ کے دور میں کچھ گمراہ فرقے وزن اعمال کا انکار کرتے تھے اور ان کا کہنا تھا کہ عمل اور قول تولی جانے والی چیزیں نہیں ہیں، کیونکہ قول اور عمل دونوں صادر ہونے کے بعد ہوا میں تحلیل ہو جاتے ہیں اور ان کا کوئی وجود باقی نہیں رہتا جسے تولا جا سکے۔ ان کے اور بھی دلائل ہیں لیکن اس مذکورہ اشکال کا سائنس نے حل پیش کر دیا ہے کہ زبان سے نکلنے والی بات اور بدن سے صادر ہونے والا عمل معدوم نہیں ہوتا بلکہ ریکارڈ ہو جاتا ہے، بلکہ اس کی مقدار بھی متعیّن ہو جاتی ہے۔ ایک محاورہ ہمارے ہاں بولا جاتا تھا کہ "اذا تلفظ فتلاشی" جب بات منہ سے نکلتی ہے تو معدوم ہو جاتی ہے، مگر اب یہ محاورہ خود "فتلاشی" ہو گیا ہے اور ہر چیز ریکارڈ ہو رہی ہے۔

امام بخاریؒ، اہلِ سنت کے بہترین نمائندہ

امام بخاریؒ کا اسلوب یہ ہے کہ مسئلہ بیان کرتے ہیں، اس کے مطابق قرآن کریم کی کوئی آیت لاتے ہیں، پھر حدیث بیان کرتے ہیں، اور کوئی بات وضاحت طلب ہو تو آثارِ صحابہؓ اور آثارِ تابعینؒ کے ذریعے اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ یہی اسلوب اہلِ سنت کا ہے، اور میں عرض کیا کرتا ہوں کہ اہلِ سنت کے اسلوبِ استدلال اور دائرہ متدلات میں امام بخاریؒ امت کے بہترین نمائندہ ہیں اور آج کے فتنوں کے دور میں ان کا یہ اسلوب زیادہ سے زیادہ عام کرنے کی ضرورت ہے، کیونکہ حدیث و سنت اور تعامل صحابہؓ کو بنیاد بنا لیا جائے تو کوئی فتنہ پریشانی کا باعث نہیں بن سکتا۔

آخری باب میں امام بخاریؒ نے یہی کیا ہے، یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن انسانوں کے اعمال و اقوال کا وزن ہو گا، اس کی موافقت میں قرآن کریم کی آیت مبارکہ "ونضع الموازین القسط لیوم القیامۃ" کو ترجمۃ الباب کا حصہ بنایا ہے، اور دلیل میں حدیثِ رسولؐ بیان کی ہے جس میں جناب

نبی اکرمؐ نے ذکر کے دو کلموں "سبحان الله و بحمده سبحان الله العظیم" کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "ثقیلتان فی المیزان" یہ دو جملے قیامت کے دن ترازو پر بہت وزنی ہوں گے۔ اور اسی جملہ سے انہوں نے وزنِ اعمال پر استدلال کیا ہے، اس کے ساتھ ہی ایک آیت کریمہ سے جو لفظ ''قسطاس'' آیا ہے، اس کی ایک تابعی حضرت قتادہؒ کے قول کے ساتھ تشریح کر دی ہے۔

طلبہ وطالبات کو نصیحت

ان گزارشات کے بعد میں طلبہ اور طالبات کو ایک بار پھر مبارک باد دیتے ہوئے بطور نصیحت یہ عرض کروں گا کہ:

- یہ جو کچھ آپ نے پڑھا ہے اس کی حفاظت بھی ضروری ہے۔ کیونکہ کوئی بھی کمائی ہو اگر اس کی حفاظت نہ کی جائے اور وہ ضرورت کے وقت کام نہ آئے تو وہ کمائی نہیں بلکہ صرف مشقت ہوتی ہے۔ جبکہ علم کی کمائی اور دین کی کمائی سے بہتر کوئی کمائی نہیں ہے، اس کی حفاظت عمل کے ساتھ اور پڑھنے پڑھانے کا شغل جاری رکھنے سے ہوگی۔ اس لیے تعلیم و تدریس کے ساتھ کسی نہ کسی درجہ میں تعلق ضرور قائم رکھیں ورنہ سب کچھ بھول جائے گا اور محنت ضائع چلی جائے گی۔
- اس کے ساتھ ہی فتنوں کے اس دور میں اپنے اکابر و اسلاف کے ساتھ وابستہ رہیں اور امت کے اجماعی تعامل کے دائرے کو لازم پکڑیں۔ فتنوں سے محفوظ رہنے کے لیے ضروری ہے کہ امت کے اجماعی تعامل کی پابندی کرتے ہوئے اسلاف و اکابر سے مسلسل راہنمائی حاصل کرتے رہیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق سے نوازیں اور ہمارے بزرگوں کے اس گلشن علم و عمل کو ہمیشہ آباد رکھیں، آمین یارب العالمین۔

حفظِ حدیث کا قابلِ رشک ذوق

(روزنامہ اسلام، لاہور - یکم مئی ۲۰۱۵ء)

گزشتہ ماہ کے دوران ملک کے مختلف شہروں کے دینی مدارس میں بخاری شریف کے آخری سبق کی بیسیوں مجالس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی اور تھوڑی بہت گفتگو کا موقع بھی ملا۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے مگر دو روز قبل شاہ کوٹ ضلع شیخوپورہ میں ایک ایسی تقریب میں حاضری کا شرف حاصل ہوا ہے جس کی خوشی کے اظہار کے لیے یقیناً میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔

ماضی میں حفظِ حدیث کی روایت

پرانے دور میں احادیث کو زبانی یاد کرنے کا ذوق پایا جاتا تھا اور قرآن کریم کی طرح حدیث کے حفاظ بھی بڑی تعداد میں موجود ہوتے تھے۔ یہ شوق رفتہ رفتہ کم ہوتا جا رہا ہے اور آج احادیث کو اہتمام کے ساتھ یاد کرنے اور یاد کرانے کا کوئی نظم کم از کم ہمارے علم میں نہیں ہے۔ قریب کے دور میں حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد اللہ درخواستی رحمہ اللہ تعالیٰ اس شرف کے ساتھ موصوف تھے کہ انہیں ہزاروں احادیث سند اور متن کے ساتھ یاد تھیں جن کی تعداد دس ہزار سے زائد بتائی جاتی ہے۔ وہ ہر مجلس میں احادیث سنانے کا ذوق رکھتے تھے۔ مجھے کم و بیش دو عشروں تک ان کی مجالس میسر رہی ہیں اور یہ یاد نہیں ہے کہ خلوت یا جلوت کی کوئی مجلس ایسی ہو جس میں انہوں نے کوئی نہ کوئی حدیث نہ سنائی ہو۔ وہ "فنا فی حدیث الرسول" تھے اور اکثر یہ پڑھا کرتے تھے کہ

ما ہر چہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم
الا حدیث یار کہ تکرار می کنیم

"یعنی ہم نے جو کچھ بھی پڑھا ہے سب بھلا دیا ہے سوائے دوست کی باتوں کے جن کا ہم تکرار کرتے رہتے ہیں۔"

یقیناً اب بھی کچھ بزرگ اس ذوق کے ہوں گے جو ہمارے علم میں نہیں ہیں، اس لیے چند ماہ قبل

حضرت درخواستیؒ کے فرزند ارجمند مولانا فداء الرحمن درخواستی کے ساتھ حسن ابدال میں ان کے قائم کردہ تعلیمی ادارہ "مرکز حافظ الحدیث درخواستیؒ" میں اس بات پر مشاورت ہوئی کہ حفظِ حدیث کے اس ذوق کو زندہ کرنے کے لیے کوئی صورت اختیار کرنی چاہیے اور ذہین نوجوان علماء کرام کو توجہ دلانی چاہیے کہ وہ محدثین کی اس روایت کے احیا کے لیے محنت کریں۔

مولانا محمد طیب اور مولانا محمد عابد کا حفظِ بخاری شریف

اس فضا میں گزشتہ روز شاہکوٹ جانا میرے لیے اس خوشخبری کا باعث بنا کہ ایک نوجوان عالمِ دین نے تن تنہا اس کا آغاز کر دیا ہے۔ شاداب ٹیکسٹائل ملز شاہکوٹ کی جامع مسجد کے امام مولانا محمد طیب کہتے ہیں کہ انہیں ایک موقع پر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت خواب میں نصیب ہوئی جن کے پاس چند حفاظ حدیث بزرگ بیٹھے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یعنی مولانا محمد طیب سے کہا کہ وہ بھی ان کے پاس بیٹھ جائیں۔ وہ تھوڑی دیر وہاں بیٹھے اور اس کے بعد ان کی آنکھ کھل گئی۔ وہ اس کی تعبیر یہ سمجھے کہ انہیں حدیثِ نبویؐ یاد کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ چنانچہ انہوں نے بخاری شریف حفظ کرنا شروع کر دی اور کچھ عرصہ میں مکمل یاد کر لی۔ اس کے بعد انہوں نے دوسرے دوستوں کو بھی ترغیب دینا شروع کی۔ شاداب مل کے قریب ہی مسجد عائشہؓ کے امام مولانا محمد عابد، فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور اس پر آمادہ ہوئے اور انہی سے بخاری شریف یاد کرنا شروع کر دی۔ انہوں نے کم و بیش دو سال میں پوری بخاری شریف یاد کر لی اور آخری سبق سنانے کے لیے شاداب ملز کی مسجد میں اس تقریب کا اہتمام کیا گیا جس میں ان سے بخاری شریف کی آخری روایت سننے کا اعزاز میں نے حاصل کیا۔

میرے لیے یہ بات بھی بے حد خوشی کی تھی کہ مولانا محمد طیب جنہوں نے خود بخاری شریف یاد کر کے اپنے ایک دوست کو یاد کرائی، جامعہ نصرۃ العلوم کے فضلاء میں سے ہیں اور ان کی شادی گکھڑ میں ہوئی ہے۔ وہ بتا رہے تھے کہ ان کا نکاح بھی ہمارے والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے پڑھایا تھا۔ لیکن جب وہ اس بات کا ذکر کر رہے تھے کہ انہوں نے حضرت شیخؒ کی قبر پر برکت اور ایصال ثواب کے لیے بخاری شریف کی کتاب الایمان زبانی پڑھی ہے تو میرے دل میں رشک و حسرت کے جذبات امڈتے ہوئے آنکھوں تک جا پہنچے تھے۔

حضرت امام بخاریؒ کے مزار پر

اس پر مجھے ایک پرانا واقعہ یاد آگیا کہ روسی استعمار سے ازبکستان کی آزادی کے بعد ایک موقع پر مولانا مفتی نظام الدین شامزئیؒ، مولانا فداء الرحمٰن درخواستی، مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ، مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ، اور دیگر علماء کرام کے ساتھ ازبکستان جانے کا موقع ملا تو ہم تاشقند اور سمرقند کے مختلف مراکز کے علاوہ خرتنگ میں حضرت امام بخاریؒ کی قبر پر بھی حاضر ہوئے۔ ہماری حاضری وہاں دعا کے لیے تھی مگر مولانا مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ اپنے ساتھ بخاری شریف لے کر گئے تھے۔ ان کے کہنے پر ہم سب وہاں بیٹھ گئے اور انہوں نے بخاری شریف کی آخری روایت وہاں اس انداز سے پڑھی جیسے کوئی شاگرد اپنے استاذ کو سبق سنا رہا ہو۔ ہم بھی ان کے سامعین میں تھے اور اس سعادت میں شریک تھے۔

بہر حال مولانا محمد طیب اور مولانا محمد عابد کا یہ ذوق دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی اور دل میں ایک امید سی پیدا ہوگئی ہے کہ اگر تھوڑی سی توجہ دی جائے تو ماضی کی اس بابرکت روایت کا احیا کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے۔

ع ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

امام بخاریؒ کی علمی دیانت

(روزنامہ اسلام، لاہور - ۱۷ مئی ۲۰۱۵ء)

بخاری شریف کی تکمیل کی تقریبات کا سلسلہ ابھی چل رہا ہے اور مختلف پہلوؤں پر متنوع گفتگو کا موقع مل رہا ہے۔ بعض احباب نے تقاضا ہے کہ اس بات چیت کو مربوط شکل دی جائے جو سرِ دست میرے لیے مشکل ہے، ارادہ ہے کہ رمضان المبارک کے دوران فرصت کے لمحات میسر آنے پر اس کی کوشش کروں گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ سرِ دست چند پہلو تحریری صورت میں قارئین کی نذر کیے جا رہے ہیں۔

امام بخاری کی فقہ

امام بخاریؒ کا ذوق یہ ہے کہ وہ ''الجامع الصحیح'' میں صرف احادیث بیان نہیں کرتے بلکہ ان سے مستنبط ہونے والے احکام و مسائل کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ بلکہ پہلے وہ مسئلہ بیان کرتے ہیں جو ان کے نزدیک اس حدیث سے قائم ہو رہا ہے اور مسئلہ بیان کرنے کے بعد اس سے متعلقہ حدیث بیان کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ جو مسئلہ وہ قائم کرتے ہیں اس کے بارے میں اکثر مقامات پر پوری حدیث بھی ذکر نہیں کرتے بلکہ حدیث کا صرف اتنا حصہ بیان کر دیتے ہیں جو اس مسئلہ کی وضاحت کے لیے ضروری ہوتی ہے۔ یہ بات عام طور پر کہی جاتی ہے کہ "فقه البخاری فی تراجمه" امام بخاریؒ کا تفقہ اور ان کی فقہ ان ابواب اور عنوانات میں موجود ہے جو انہوں نے احادیث پر قائم کیے ہیں۔

بخاری شریف کی روایات کی تعداد

اسی طرح یہ بات بھی مد نظر رہے کہ تراجمِ ابواب کی تعداد ساڑھے چھ ہزار سے زیادہ ہے جبکہ تکرار حذف کر کے احادیث کی تعداد ساڑھے چار ہزار کے لگ بھگ رہ جاتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بخاری شریف میں احکام و مسائل کی تعداد زیادہ ہے اور احادیث کی تعداد ان سے بہت کم ہے۔

یہ ساری علامات فقہی ترتیب کی ہیں اس لیے میں ایک طالب علمانہ بات یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ بخاری شریف صرف حدیث کی کتاب نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ فقہ کی کتاب بھی ہے جس میں امام بخاریؒ نے ایک فقیہ اور مجتہد کے طور پر اپنی ساری فقہ سمودی ہے۔

قرآن و حدیث اور فقہ کا باہمی تعلق

حدیث و فقہ الگ الگ علوم نہیں ہیں بلکہ ایک ہی ماخذ کے مختلف اظہار ہیں اور آپس میں لازم و ملزوم ہیں:

- حدیث کو سند اور متن کے ساتھ بیان کرنا روایت اور حدیث کہلاتا ہے،
- جبکہ اس میں مسائل و احکام کا استنباط کرنا فقہ شمار ہوتا ہے۔

جہاں حدیث ہوگی وہاں ظاہر بات ہے کہ فقہ بھی ہوگی، اور جہاں فقہ ہوگی یقیناً اس کی پشت پر کوئی نہ کوئی حدیث بھی ہوگی۔ ان کا باہمی تعلق اسی طرح کا ہے جو دودھ اور مکھن کا ہے۔ دودھ اپنی اصل حالت میں دودھ کہلاتا ہے، جبکہ اس میں سے گھی نکلتا ہے، مکھن بنتا ہے، پنیر اور کھویا نکلتا ہے، ملائی اور کریم نکالی جاتی ہے اور برفی بھی اسی سے بنتی ہے۔ اب یہ ساری چیزیں بظاہر الگ الگ نظر آنے کے باوجود دودھ سے الگ نہیں ہیں بلکہ اسی کا حصہ اور ثمرہ ہیں۔ اس لیے حدیث اور فقہ الگ الگ علوم نہیں ہیں بلکہ ایک ہی علم کی مختلف صورتیں ہیں۔ فقہ کا یہی تعلق قرآن کریم کے ساتھ ہے۔ قرآن کریم کی آیت پڑھی جائے تو یہ تلاوت و قراءت ہے لیکن اس میں سے مسائل و احکام کا استنباط کیا جائے تو وہ فقہ بن جاتا ہے اور وہ فقہی احکام و مسائل قرآن کریم کا حصہ ہی ہوتے ہیں۔

امام بخاریؒ کی علمی دیانت

امام بخاریؒ کے ذوق اور ان کی عظمت کے بیسیوں پہلو بیان کیے جاتے ہیں جن میں سے ان کی علمی دیانت کے حوالہ سے ایک پہلو ذکر کرنا چاہتا ہوں جس کی طرف آج کے دور میں علماء کرام اور فضلاء کرام کو زیادہ توجہ دینی چاہیے۔ امام بخاریؒ کے حوصلہ اور علمی دیانت کا یہ پہلو ہم سب کے لیے لائقِ تقلید ہے کہ ان کے اساتذہ میں امام محمد بن یحییٰ ذہلیؒ ایک بڑے محدث تھے جن کی مسندِ حدیث نیشاپور میں تھی۔ اور امام بخاریؒ نے ان سے استفادہ کے بعد نیشاپور میں ہی اپنی مجلس قائم کرنے کا

ارادہ کر لیا تھا۔ مگر استاذ محترم سے ایک علمی مسئلہ پر اختلاف ہو گیا۔ امام ذہلیؒ حنابلہ کے امام تھے اور خلقِ قرآن کے مسئلہ پر اس دور میں اس حد تک شدت آگئی تھی کہ ”قرآن کریم مخلوق نہیں ہے“ کا اطلاق ظاہری الفاظ اور قرآن کریم سے متعلقہ ہر چیز پر کیا جانے لگا تھا۔ اس کو متوازن کرنے کے لیے امام بخاریؒ نے فرمایا کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے، لیکن جو الفاظ میری زبان پر جاری ہوتے ہیں یہ مخلوق ہیں۔ انہوں نے جب یہ کہا کہ "لفظی بالقرآن مخلوق" تو ان کے استاذ محترم امام ذہلیؒ نے ان پر "ضال و مضل" ہونے کا فتویٰ صادر کر دیا اور حدیث کے طلبہ کو منع کر دیا کہ وہ امام بخاریؒ کی مجلس کا بائیکاٹ کریں۔ حتیٰ کہ یہاں تک کہہ دیا کہ جو بخاریؒ کی مجلس میں جائے گا وہ میری مجلس میں نہ آئے۔

اس پر علمی حلقوں میں ردعمل کا اظہار ہوا۔ امام ابوزرعہؒ اور ابوحاتمؒ نے امام بخاریؒ کی روایات کا بائیکاٹ کر دیا۔ امام مسلمؒ نے جو امام ذہلیؒ اور امام بخاریؒ دونوں کے شاگرد تھے، اپنی کتاب میں دونوں سے کسی کی روایت نہیں لی۔ امام بخاریؒ کو استاذ محترم کے فتویٰ کے بعد نیشاپور چھوڑنا پڑا اور اس فتویٰ نے علمی حلقوں میں خاصی گہما گہمی پیدا کر دی۔ مگر امام بخاریؒ کی یہ عظمت ہے کہ انہوں نے امام ذہلیؒ کے فتویٰ کو قبول نہیں کیا اور اس کا مقابلہ بھی نہیں کیا، جبکہ اختلاف کے باوجود ان کے احترام میں بھی کوئی فرق ظاہر نہیں ہونے دیا۔ حتیٰ کہ امام ذہلیؒ کی طرف سے اپنے گمراہ ہونے کے فتویٰ کے باوجود انہوں نے بخاری شریف میں اپنے اسی استاذ محترم سے تیس کے لگ بھگ روایات لی ہیں جو آج بھی بخاری شریف کا حصہ ہیں۔ ہمارے استاذ محترم الاستاذ عبد الفتاح ابو غدۃ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ کی عظیم تصنیف ”اعلاء السنن“ کے مقدمہ کے حاشیہ میں تحریر کی ہے جو ہر صاحبِ علم کو پڑھنی چاہیے۔

امام بخاریؒ کی عظیم تصنیف ”الجامع الصحیح“ پڑھتے اور پڑھاتے ہوئے اساتذہ اور طلبہ کو امام بخاریؒ کے ذوق و اسلوب اور بخاری شریف کی ان خصوصیات و امتیازات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے تاکہ اس سے صحیح استفادہ کیا جا سکے۔

بخاری شریف کو ایک نظامِ حیات کے طور پر بھی پڑھیں

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۲۵ اگست ۲۰۱۵ء)

۲۲ اگست کو جامعہ نعمانیہ قاضی کوٹ ضلع گوجرانوالہ میں دورۂ حدیث شریف کے آغاز کی تقریب میں شرکت کا موقع ملا۔ خانقاہ سراجیہ کندیاں شریف کے سجادہ نشین حضرت مولانا خواجہ خلیل احمد مہمانِ خصوصی تھے۔ جامعہ امدادیہ فیصل آباد کے شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد طیب نے بخاری شریف کی پہلی روایت پڑھا کر دورۂ حدیث کا افتتاح کیا۔ جبکہ مولانا مفتی محمد حسن، لاہور اور راقم الحروف نے خطاب کیا۔ اس موقع پر جو گزارشات طلبہ کے سامنے پیش کیں، ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ ابھی مولانا مفتی محمد طیب صاحب نے آپ حضرات کو بخاری شریف کا پہلا سبق پڑھایا ہے اور امام بخاریؒ کے امتیازات اور بخاری شریف کی خصوصیات پر بہت عمدہ اور مفید گفتگو فرمائی ہے، میں بھی اسی حوالہ سے دو چار گزارشات پیش کرنا چاہوں گا۔

بخاری شریف حضرت شاہ ولی اللہؒ کی نظر میں

آپ سارا سال بخاری شریف پڑھیں گے اور آپ کے اساتذہ حدیث اور علمِ حدیث کے فیوض و افادات سے آپ کو آگاہ کریں گے۔ میری گزارش یہ ہے کہ اس بات کو ذہن میں رکھ لیں کہ آپ نے بخاری شریف کو کس طرح پڑھنا ہے اور کیا سمجھ کر پڑھنا ہے۔ بخاری شریف بنیادی طور پر احادیثِ نبویہؐ کا مستند ترین ذخیرہ ہے، اسے حدیث کی کتاب سمجھ کر پڑھا جاتا ہے، اور یہ بات بالکل درست ہے۔ مگر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے بخاری شریف کے تراجم ابواب پر اپنے رسالہ کے آغاز میں یہ فرمایا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ نے "الجامع الصحیح" میں چار بڑے علوم کو سمو دیا ہے اور یہ بہت سے علوم کی جامع کتاب ہے۔ اس کتاب کا پورا نام اس طرح ہے "الجامع الصحيح المسند المختصر من امور رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سننہ و ایامہ"۔ اس کا پہلا لفظ الجامع ہے اور اسی کے حوالہ سے میں نے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ارشاد کا ذکر کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ

- بخاری شریف میں قرآن کریم کی تفسیر کے بارے میں ہزاروں روایات ذکر کی گئی ہیں اور ان کی تشریح حدیثِ نبویؐ کی روشنی میں کی گئی ہے۔ بخاری شریف کا آغاز قرآن کریم کی ایک آیت سے ہوا ہے اور اختتام بھی قرآن کریم کی آیت پر ہی ہوگا۔ جبکہ درمیان میں شاید ہی آپ کو کوئی صفحہ قرآن کریم کی آیت یا کسی جملہ سے خالی ملے، اس لیے یہ تفسیر قرآن کریم کی کتاب ہے۔
- امام بخاریؒ نے صرف احادیث بیان نہیں کیں بلکہ قرآن کریم کی آیات اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث سے ہزاروں احکام و مسائل مستنبط کیے ہیں۔ وہ پہلے مسئلہ بیان کرتے ہیں، پھر اس کے مطابق قرآن کریم کی آیت، حدیثِ نبویؐ، اور آثارِ صحابہؓ و تابعینؒ لاتے ہیں، جس سے اہلِ سنت کے منہجِ استدلال کی وضاحت بھی ہوجاتی ہے کہ ہمارے دین کی کسی بھی بات کی بنیاد قرآن کریم کے بعد احادیث اور آثارِ صحابہؓ پر ہے۔ اور یہی اہلِ سنت کی اعتقادی و فقہی اساس ہے۔ قرآن و سنت سے احکام مستنبط کرنے کو فقہ کہتے ہیں۔ فقہ و شریعت قرآن و حدیث سے الگ کوئی علم نہیں ہے، بلکہ قرآن و حدیث سے مستنبط ہونے والے احکام و مسائل ہی فقہ کہلاتے ہیں۔
- فقہ کا قرآن و حدیث کے ساتھ وہی تعلق ہے جو مکھن، پنیر، ملائی، کریم اور دہی کا دودھ کے ساتھ ہوتا ہے۔ جبکہ امام بخاریؒ نے جو مسائل مستنبط کیے ہیں ان کی تعداد بخاری شریف میں ساڑھے چھ ہزار کے لگ بھگ ہے، اور تکرار کے بغیر روایات کی تعداد ساڑھے چار ہزار کے آگے پیچھے بیان کی جاتی ہے۔ گویا مسائل زیادہ بیان ہوئے ہیں اور احادیث و روایات ان سے کم ہیں۔ اس لیے بخاری شریف فقہ کی کتاب بھی ہے۔
- حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے "سیر و مغازی" یعنی تاریخ کو بھی اس میں کمال درجہ میں شامل کیا ہے۔ امام بخاریؒ صفِ اول کے مؤرخ ہیں، انہوں نے تاریخی روایات کو جس ذوق و اہتمام کے ساتھ بیان کیا ہے وہ انہی کا حصہ ہے۔

- اسی طرح امام بخاریؒ نے ''زہد ورقائق'' سے متعلقہ روایات کو بھی جمع کیا ہے جسے سلوک و احسان کہا جاتا ہے، اور اسے تصوف سے بھی تعبیر کر لیا جاتا ہے۔

اس طرح بخاری شریف اصلاً تو حدیث کی کتاب ہے مگر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے نزدیک یہ (۱) تفسیر (۲) فقہ (۳) تاریخ اور (۴) سلوک و احسان کی کتاب بھی ہے۔ چنانچہ پڑھنے پڑھانے والوں کو بخاری شریف کی اس جامعیت کو سامنے رکھ کر اس سے استفادہ کرنا چاہیے۔

بخاری شریف اور نظامِ حیات

بخاری شریف کی اس ''جامعیت'' کا ایک اور حوالہ دینا چاہوں گا جس کا ذکر مولانا مفتی محمد طیب نے بھی کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس میں انسانی زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ انسانی سوسائٹی میں زندگی کے چار بڑے دائرے ہیں:

۱. فرد کی زندگی،
۲. خاندانی زندگی،
۳. سوسائٹی اور قوم کی زندگی،
۴. اور عالمی و بین الاقوامی زندگی۔

اسلامی تعلیمات انسانی زندگی کے ان چاروں دائروں کے حوالہ سے واضح طور پر موجود ہیں۔ امام بخاریؒ نے اپنے دور کے حوالہ سے زندگی کے ان سب شعبوں کے بارے میں قرآن و سنت اور آثارِ صحابہ و تابعین کے ذریعہ امتِ مسلمہ اور نسلِ انسانی کی راہ نمائی کی ہے۔ میں اسے یوں تعبیر کرتا ہوں کہ بخاری شریف کو اسلام کے مکمل نظامِ حیات کے طور پر بھی پڑھا جائے، اس میں صرف اعتقادات، عبادات، معاملات، آداب اور اخلاقیات ہی نہیں بلکہ زندگی کے اجتماعی شعبوں کے احکام و قوانین بھی بیان کیے گئے ہیں۔ اگر آپ اس ذوق کے ساتھ بخاری شریف پڑھیں اور پڑھائیں گے تو آپ کو اس میں سیاسی نظام بھی ملے گا، معاشی نظام بھی ملے گا، خارجہ پالیسی بھی ملے گی، جنگ اور صلح کے احکام بھی ملیں گے، قومی زندگی کی ضروریات بھی اس میں موجود ہیں، بین الاقوامیت کے تقاضے بھی اس میں بیان کیے گئے ہیں، اور خاندانی نظام کے بارے میں تو اس سے زیادہ جامع اور فطری احکام کا کسی دوسری جگہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

میں نے ایک سیمینار میں ’’نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خارجہ پالیسی‘‘ پر گفتگو کرتے ہوئے قرآن کریم کی چند آیات اور بخاری شریف کی ایک تفصیلی روایت کا حوالہ دیا تو ایک انتہائی مقتدر شخصیت نے جو سیمینار کی صدارت فرما رہے تھے، بعد میں حیرانی کے ساتھ مجھ سے پوچھا کہ کیا قرآن و حدیث میں ’’خارجہ پالیسی‘‘ کا ذکر بھی موجود ہے؟ میں نے عرض کیا کہ بڑی تفصیل کے ساتھ ہے مگر اسے سمجھنے اور بیان کرنے کے لیے توجہ اور ذوق کی ضرورت ہے۔ اس لیے میں دورۂ حدیث کے طلبہ سے گزارش کروں گا کہ بخاری شریف کو ایک نظامِ حیات کے طور پر بھی پڑھیں، اس لیے کہ آج کے دور میں سب سے زیادہ ضرورت اسی بات کی ہے۔

”خبرِ واحد“ اور اس کی حفاظت کا اہتمام

(روزنامہ انصاف، لاہور - ۱۵ فروری ۲۰۱۸ء)

گزشتہ روز ایک نوجوان نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبرِ واحد کی حفاظت کا اہتمام کیا تھا؟ میں نے پوچھا کہ بیٹا آپ کی تعلیم کیا ہے؟ بتایا کہ تھرڈ ایئر کا سٹوڈنٹ ہوں۔ پھر پوچھا کہ دینی تعلیم کہاں تک حاصل کی ہے؟ جواب دیا کہ ایک مکتب میں ناظرہ قرآن کریم اور نماز وغیرہ کی تعلیم حاصل کی تھی۔ میں نے دریافت کیا کہ علمِ حدیث کی کوئی کتاب اردو میں مطالعہ کی ہے؟ جواب دیا کہ نہیں۔ میں نے سوال کیا کہ بیٹا خبرِ واحد کے بارے میں آپ کو کس نے بتایا ہے کہ یہ کیا ہوتی ہے؟ کہنے لگا کہ ٹی وی چینل کے ایک پروگرام میں یہ کہا گیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبرِ واحد کی حفاظت کا کوئی اہتمام نہیں کیا تھا۔

بے خبری کا جال

میں سوچ میں پڑ گیا کہ یہ ایک نوجوان نہیں ہے، اس جیسے ہزاروں نوجوانوں نے یہ بات سنی ہوگی اور الجھن کا شکار ہوئے ہوں گے۔ اس بے چارے نے تو سوال کرنے کی ہمت کر لی ہے ورنہ اس قسم کے کئی نوجوان اسی طرح کی الجھنوں کا شکار ہو کر اندر ہی اندر کڑھتے رہتے ہیں اور بالآخر ایمان ویقین سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ یہ آج کے دور کی مخصوص تکنیک ہے کہ وہ جدید تعلیم یافتہ حضرات جو دین کی بنیادی تعلیمات سے بے خبر ہوتے ہیں بلکہ انہیں ریاستی نظامِ تعلیم میں پورے اہتمام کے ساتھ قرآن و سنت کے بارے میں بنیادی معلومات تک سے بے خبر رکھا جاتا ہے، ان کے سامنے علمی نوعیت کے سوالات رکھ کر انہیں کنفیوژ کیا جائے اور پھر انہیں آہستہ آہستہ دین و مذہب کے ٹریک سے اتار دیا جائے۔ یہ تکنیک اور طریق واردات آج کے دور کا ایک بڑا فتنہ ہے جو پوری پلاننگ کے ساتھ نئی نسل کو گھیرے میں لے رہا ہے۔ میرے نزدیک ایسے نوجوان قابلِ رحم ہوتے ہیں اور کوشش کرتا ہوں کہ محبت پیار کے ساتھ ان کو ان کی ذہنی سطح کے مطابق اصل بات سمجھا دی جائے۔

خبرِ واحد کیا ہوتی ہے؟

پہلا سوال یہ ہے کہ خبرِ واحد کیا ہوتی ہے؟ میں نے نوجوان کو بتایا کہ بیٹا خبرِ واحد کا مطلب یہ ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ارشاد یا عمل روایت کرنے والا صرف ایک ہی صحابی ہو۔ تو کیا ایسی روایت قبول کی جائے گی اور وہ شرعًا حجت ہوگی یا نہیں؟ اس پر علمی اور فنی سطح پر محدثین کرام اور فقہاء عظام نے تفصیلی بحث کی ہے اور اس کے مختلف مدارج اور شرائط کا ذکر کیا ہے۔ مگر تمہارے لیے اتنی بات سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ اگر آنحضرتؐ کا کوئی حکم، ارشاد یا عمل صرف ایک صحابیؓ کے ذریعے ہمیں معلوم ہوا ہے تو کیا ہمارے لیے اس کو مان لینا ضروری ہے یا کسی ''دانشور'' کی بات سن کر اسے نظر انداز کر دیا جائے گا؟

دوسرا سوال یہ ہے کہ کیا جناب نبی کریمؐ نے ایسی باتوں کی حفاظت کا کوئی اہتمام کیا تھا؟ اس سوال کا مقصد یہ نظر آتا ہے کہ جب آنحضرتؐ نے خود اس کا اہتمام نہیں فرمایا تھا تو پھر ہمیں اس کے تردد میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس سوال کے دو پہلو ہیں جنہیں الگ الگ دیکھنا ہوگا:

جمع و حفاظت کا اہتمام

جہاں تک ''حفاظت کے اہتمام'' کا تعلق ہے وہ تو جناب رسول اللہؐ نے قرآن کریم کے بارے میں بھی نہیں کیا تھا۔ آپؐ مسلسل تئیس سال تک نازل ہونے والے قرآن کریم کی آیات اور سورتیں صحابہ کرامؓ کو سناتے رہے جو ہزاروں لوگوں نے یاد کر لیں، جبکہ رسول اللہؐ نے ان کی ترتیب اور دیگر ضروری امور بھی انہیں سمجھا دیے جس سے سینکڑوں صحابہ کرامؓ قرآن کریم کے حافظ بن گئے۔ مگر قرآن کریم کو کتابی شکل میں جمع کرنے اور تحریری صورت میں محفوظ کرنے کا کام آنحضرتؐ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے دور میں مکمل کیا گیا۔ اب اگر کوئی صاحب یہ سوال اٹھا دیں کہ کیا نبی کریمؐ نے قرآن کریم کو ایک جگہ جمع کرنے، لکھوانے اور محفوظ کرنے کا اہتمام کیا تھا؟ تو اس کا واقعاتی جواب تو یہی ہوگا کہ جس کو ''جمع و حفاظت کا اہتمام'' کہا جاتا ہے وہ آپؐ کے وصال کے بعد ہوا تھا۔ مگر یہ جواب قرآن کریم کی جمع و حفاظت کے پراسیس سے بے خبر لوگوں کے لیے کس قدر الجھن اور کنفیوژن کا باعث بن سکتا ہے، اس کا اندازہ سوال اٹھانے والے صاحب کو شاید پوری طرح نہیں ہوگا۔

خبرِ واحد حدیثِ نبویؐ کی ایک قسم ہے جبکہ احادیثِ نبویہؐ کی جمع و ترتیب اور حفظ و روایت کا بیشتر کام صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور اتباع تابعینؒ کے دور میں ہوا تھا جسے امت نے مجموعی طور پر قبول کیا اور محدثین کرام کے اس کام کو ہر دور میں پوری امت کا اعتماد حاصل رہا ہے۔ اس لیے الگ سے یہ سوال اٹھانا کہ کیا نبی اکرمؐ نے خبرِ واحد کی حفاظت کا اہتمام کیا تھا، حدیث و سنت کی حفاظت و روایت کے مجموعی نظام کے بارے میں بے اعتمادی کی فضا پیدا کرنے کے مترادف ہوگا۔

بخاری شریف میں ''اخبار الآحاد''

سوال کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ کیا کسی ایک صحابی کی روایت قابلِ قبول ہے اور شرعاً دلیل بنتی ہے؟ اس پر تفصیل میں جانے کی بجائے بخاری شریف کے ایک مستقل باب کا حوالہ دے دینا کافی ہے جو ''اخبار الآحاد'' کے عنوان سے ہے۔ امام بخاریؒ نے اس میں ڈیڑھ درجن کے لگ بھگ ایسی احادیث بیان کی ہیں جن سے انہوں نے اپنے ذوق کے مطابق اس بات پر استدلال کیا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں کسی ایک صحابی کی روایت بھی قبول کی جاتی تھی اور اسے شرعی دلیل سمجھ کر اس پر عمل کیا جاتا تھا۔ مثال کے طور پر ان میں سے دو تین کا تذکرہ کر دیتا ہوں:

- جب قبلہ کی تبدیلی کا حکم نازل ہوا اور بیت المقدس کی بجائے مکہ مکرمہ کی طرف نماز میں رخ کرنے کا حکم صادر ہوا تو ایک مسجد میں لوگ سابقہ حکم کے مطابق بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص نے باہر سے دیکھ کر آواز دی کہ قبلہ کا رخ تبدیل کر دیا گیا ہے اور اب ہمارا قبلہ مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف ہے۔ یہ بات سن کر سب نمازیوں نے نماز کے دوران ہی اپنا رخ مکہ مکرمہ کی طرف موڑ دیا اور اس ایک آدمی کی خبر پر یقین کر کے اس کے مطابق عمل کیا۔
- حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنے سوتیلے باپ حضرت ابوطلحہ انصاریؓ کے گھر میں شراب کی محفل میں لوگوں کو شراب پلا رہا تھا کہ باہر کسی اعلان کی آواز سنائی دی۔ مجھے کہا گیا کہ باہر جا کر سنو کہ کیا آواز ہے؟ میں نے واپس آکر بتایا کہ ایک صاحب بتا رہے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے حرام ہونے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس پر سب لوگوں نے شراب کے پیالے نیچے رکھ دیے اور مجھے ابوطلحہؓ نے کہا کہ یہ ساری شراب باہر گلی

میں پھینک دو چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ شراب کے حرام ہونے کے بارے میں صرف ایک صاحب کی یہ بات کافی سمجھی گئی اور اس کا اعلان شرعی دلیل قرار پایا۔

- جناب نبی اکرمؐ کے سامنے ایک موقع پر دسترخوان پر کھانے کی کچھ اشیاء رکھی گئیں، آپؐ نے ایک چیز کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اندر سے کسی خاتون نے آواز دی کہ یا رسول اللہ! یہ صحرائی جانور گوہ کا گوشت ہے۔ حضورؐ نے یہ سنتے ہی ہاتھ پیچھے کر لیا۔ پوچھا گیا کہ کیا یہ جانور حرام ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ حرام نہیں ہے مگر میں اسے کھانا پسند نہیں کرتا۔ گویا نبی کریمؐ نے ایک عورت کی خبر پر یقین کر کے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا جو اس بات کی دلیل ہے کہ ایک شخص کی خبر بھی دلیل بن جاتی ہے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

امام بخاریؒ نے اس قسم کی اور بھی مثالیں دی ہیں اور بتایا ہے کہ بہت سے شرعی معاملات میں خبرِ واحد حجت ہے اور اس پر آنحضرتؐ اور صحابہ کرامؓ کے دور میں عمل ہوتا رہا ہے۔ بلکہ امام بخاریؒ کا اپنا ذوق تو پوری بخاری شریف میں یہ نظر آتا ہے کہ وہ اعتقادات، فرائض، عبادات، حلال و حرام، معاملات اور معاشرت کے دیگر تمام شعبوں میں قرآن کریم کے ساتھ ساتھ احادیث اور آثارِ صحابہؓ کو بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں جن میں سے بیشتر روایات خبرِ واحد ہی کے درجہ کی ہوتی ہیں۔

بخاری شریف اور عصرِ حاضر کی سماجی ضروریات

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد - ۲۹ فروری ۲۰۲۰ء)

دینی مدارس کے اجتماعات کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اور ملک کے مختلف حصوں میں ختمِ بخاری شریف، دستار بندی اور تقسیمِ انعامات کے عنوانات سے تقریبات کا تسلسل جاری ہے۔ گزشتہ عشرہ کے دوران دار العلوم محمدیہ (اٹھارہ ہزاری)، جامعہ حسینیہ (دینہ)، مدرسہ تعلیم القرآن (کوٹ بلال)، جامعہ اجمل المدارس (فیروز ٹواں)، جامعہ مظاہر العلوم (کوٹ ادو)، جامعہ نظامیہ حیدریہ (بہاولپور)، جامعہ حنفیہ (بورے والا) اور دیگر مقامات پر ایسے متعدّد پروگراموں میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی اور طلبہ وطالبات کے ساتھ ساتھ عوامی اجتماعات میں بھی کچھ معروضات پیش کرنے کا موقع ملا۔ اس بار دو تین امور گفتگو کا بطور خاص موضوع ہیں جن کا مختصر تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حدیثِ نبویؐ، قرآن کریم پر ایمان کا ذریعہ

پہلی بات یہ کہ آج کے عالمی حالات اور فکری مباحث کے تناظر میں حدیثِ نبویؐ کی حجیت و مقام اور اہمیت و ضرورت کے علاوہ اس کا وہ تعارفی پہلو بھی بطور خاص اجاگر کرنے کی ضرورت ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں بیان کیا ہے کہ احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا التحیۃ والسلام دین کی کسی بھی بات تک پہنچنے کا واحد ذریعہ ہیں، حتیٰ کہ قرآن کریم تک رسائی بھی حدیث کے ذریعے ہی حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً نزول کے حوالہ سے قرآن کریم کی پہلی پانچ آیات سورۃ العلق کی ہیں جو ہمیں غارِ حرا کے واقعہ سے ملی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حرا کی غار میں ایک واقعہ پیش آیا جو آپؐ سے سن کر صحابہ کرامؓ نے روایت کر دیا، اسے حدیث کہتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ہمیں پہلی وحی تک رسائی حاصل ہوئی۔ یہی معاملہ قرآن کریم کی باقی سورتوں اور آیات کا ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کریم سے پہلے حدیثِ نبویؐ کو ماننا اور اس پر ایمان لانا ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر قرآن کریم کی کسی سورت، آیت اور جملہ پر ایمان لانا ممکن ہی نہیں ہے۔

انسانی سماج کی ضرورت

دوسری بات جو ان مجالس میں عرض کر رہا ہوں کہ بخاری شریف احادیثِ نبویہ ؐ کا بیش بہا اور مستند ترین مجموعہ ہے جو حضرت امام بخاریؒ نے بڑی محنت اور ذوق کے ساتھ جمع کیا ہے، اور اسے امت میں سب سے زیادہ قبولیت حاصل ہوئی ہے۔ مگر اس میں امام بخاریؒ نے انسانی سوسائٹی کو درپیش مسائل و مشکلات کا قرآن و سنت کی روشنی میں حل جس ترتیب اور اسلوب کے ساتھ پیش کیا ہے اسے زیادہ اہتمام کے ساتھ سامنے لانا ضروری ہے، کیونکہ آج کے انسانی سماج کو اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ جبکہ محض اصطلاحات کے فرق کے باعث ہم اس پہلو کی طرف پوری طرح متوجہ نہیں ہو پا رہے۔ مثلاً:

نظامِ مملکت کی بنیادیں

ہمارے ہاں موضوعات کی جو ترتیب و تقسیم معروف ہے اس میں کتاب الاحکام کا یہ مطلب بنتا ہے کہ عقائد، فرائض، احکام، معاملات، آداب اور اخلاقیات کے دائروں میں سے ایک دائرہ کی احادیث اس میں مذکور ہوں گی، جبکہ واقعتاً ایسا نہیں ہے بلکہ حضرت امام بخاریؒ نے کتاب الاحکام میں اسلام کے نظمِ مملکت اور نظامِ حکومت کے اصول و ضوابط بیان کیے ہیں کہ حکومت و ریاست کیا ہوتی ہے؟ حکمران کیسا ہونا چاہیے؟ حکم و قانون کی بنیاد کیا ہے؟ حاکم و رعیت کے درمیان رابطہ اور کمٹمنٹ کی نوعیت کیا ہے؟ قضاو عدالت کا طریق کار کیا ہونا چاہیے؟ وغیر ذٰلک۔

متنوع علوم کا مجموعہ

اسی طرح زُہد و رقائق کے حوالہ سے امام بخاریؒ نے جو روایات پیش کی ہیں وہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے ارشاد کے مطابق سلوک و احسان اور روحانیات و وجدانیات کے دائرہ کی روایات ہیں، بلکہ امام ولی اللہؒ تو بخاری شریف کو علمِ تفسیر، علمِ حدیث، علمِ فقہ، علمِ تاریخ اور علمِ تصوف کا مجموعہ قرار دیتے ہیں۔ جبکہ ہم امام بخاریؒ کے اسلوب و ذوق اور اصطلاحات سے کماحقہ متعارف نہ ہونے کے باعث ان ابواب سے عمومی ماحول میں ہی گزر جاتے ہیں۔

اہلِ سنت کا دائرۂ استدلال

تیسری بات جس کا تذکرہ اس گفتگو میں ہو رہا ہے، یہ ہے کہ امام بخاریؒ کوئی مسئلہ بیان کرتے ہیں یا

موقف اختیار کرتے ہیں تو اس کی تائید میں قرآن کریم کی آیات اور احادیثِ نبویہؐ پیش کرتے ہیں اور پھر ان کی وضاحت کے لیے آثارِ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کو لاتے ہیں۔ گویا کسی بھی دینی مسئلہ میں استدلال کے لیے یہی معتمد دائرے ہیں اور یہ اہلِ سنت کا دائرہ استدلال ہے جسے واضح کرنا دورِ حاضر کی اہم ترین فکری و علمی ضرورت ہے، کیونکہ ہمارے عمومی ماحول میں دلیل واستدلال کے دائروں اور معیارات کو خلط ملط کیا جا رہا ہے جس سے بڑی خرابیاں جنم لے رہی ہیں۔ مثلاً امام بخاریؒ نے بخاری شریف کے آغاز میں کتاب الایمان کے عنوان سے عقائد و ایمانیات بیان کیے ہیں اور اختتام پر کتاب التوحید کے عنوان سے عقائد کی تعبیرات کو موضوع بحث بناتے ہوئے بعض غلط تعبیرات کا رد کیا ہے۔ اور دونوں جگہ استدلال کی بنیاد قرآن کریم، حدیثِ نبویؐ اور آثارِ صحابہؓ و تابعینؒ پر رکھی ہے۔ گویا ان کے نزدیک کسی عقیدہ کا ثبوت بھی ان دلائل سے ہوگا اور عقیدہ کی تعبیر و تشریح کے لیے بھی یہی تین دائرے دلیل ہوں گے۔ اگر اس بات کو ہم علمی انداز میں پیش کر کے اسے نئی نسل کو صحیح طور پر سمجھا سکیں تو لوگوں کے بہت سے فکری مغالطوں کا خود بخود ازالہ ہو جاتا ہے۔

دینی و عصری نصاب کی یکسانیت کی مہم اور تاریخی پس منظر

دینی مدارس کے ان اجتماعات میں مدارس کے حوالہ سے موجودہ صورتحال اور نصابِ تعلیم کی یکسانیت کی سرکاری مہم بھی گفتگو کا موضوع بن رہی ہے اور کم و بیش ہر جگہ اس کے بارے میں سوالات ہو رہے ہیں، جس کے جواب میں عرض کر رہا ہوں کہ پہلے اس ساری بحث کے تاریخی پس منظر کو سامنے لانا ضروری ہے۔ مثلاً:

- درسِ نظامی کا یہ نصاب حضرت ملّا نظام الدین سہالویؒ نے اورنگزیب عالمگیرؒ کے دور میں مرتب اور رائج کیا تھا، جو اس وقت سے ۱۸۵۷ء تک ڈیڑھ سو سال سے زائد عرصہ اس طرح پڑھایا جاتا رہا ہے کہ قرآن کریم، حدیث و سنت، فقہ و شریعت اور عربی و فارسی زبانوں کے ساتھ ساتھ اس دور کی معقولات و فلسفہ، سائنس، طب، ریاضی، معاشرتی علوم اور ٹیکنالوجی بھی نصاب کا حصہ تھے اور یہ سب مضمون اکٹھے پڑھائے جاتے تھے۔
- مگر انگریزوں نے ۱۸۵۷ء میں اس خطہ پر قبضہ جمانے کے بعد جب قرآن، حدیث، فقہ، عربی اور فارسی کے مضامین کو نصاب سے خارج کر دیا تو ان کی تعلیم کو باقی رکھنے کے لیے

پرائیویٹ سیکٹر میں دینی مدارس وجود میں آئے اور اسکول اور مدرسہ کی یہ تقسیم سامنے آئی جو برطانوی حکومت کے اقدامات کا نتیجہ تھی۔

- جبکہ قیامِ پاکستان کے بعد بھی ریاستی پالیسی کا یہی تسلسل اب تک چل رہا ہے۔

اس لیے اگر دونوں کو دوبارہ جمع کرنا ہے تو قرآن و حدیث اور فقہ و عربی کے وہ مضامین ریاستی نظام تعلیم میں واپس شامل کرنا ہوں گے جیسے ۱۸۵۷ء سے قبل تھے، اس کے بغیر اس کی اور کوئی صورت قابلِ قبول اور قابلِ عمل نہیں ہو سکتی۔ اور اس معروضی حقیقت کو نظر انداز کر کے نصابِ تعلیم کی یکسانیت کا کوئی بھی فارمولا حقیقت پسندانہ نہیں ہو گا۔

بخاری شریف اور عصرِ حاضر

اٹھائیس جنوری (۲۰۲۲ء) کو نماز جمعہ کے بعد جامعہ انوار العلوم مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں بخاری شریف کے آخری سبق کی تقریب سے خطاب کا خلاصہ قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

بعد الحمد والصلوۃ۔ بخاری شریف کا آخری سبق پڑھنے والے جامعہ انوار العلوم اور مدرسہ مظاہر العلوم گوجرانوالہ کے تمام طلبہ، ان کے اساتذہ اور اہلِ خاندان کو مبارکباد دیتے ہوئے کچھ گزارشات پیش کرنا چاہتا ہوں۔

جامعہ انوار العلوم گوجرانوالہ کی صد سالہ تقریب کی تجویز

پہلی بات یہ ہے کہ ہمارے جامعہ انوار العلوم گوجرانوالہ کو قائم ہوئے ایک صدی مکمل ہو رہی ہے۔ گورنمنٹ ڈگری کالج گوجرانوالہ کے مجلہ "مہک" میں شائع ہونے والے ایک مضمون کے مطابق مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ میں اس مدرسہ کی بنیاد ۱۹۲۲ء میں رکھی گئی تھی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے شاگرد حضرت مولانا عبدالعزیز محدث سہالویؒ نے، جو مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ کے خطیب تھے، یہ مدرسہ قائم کیا، استاذ المحدثین حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے اس کا افتتاح کیا۔ حضرت مولانا عبد العزیزؒ کے بعد حضرت مولانا مفتی عبد الواحدؒ اور ان کے بعد حضرت مولانا قاضی حمید اللہ خانؒ اس کے مہتمم رہے۔ جبکہ ان کے بعد سے اس کے مہتمم مولانا داؤد احمد میواتی ہیں جو اپنی ٹیم مولانا عبد القدوس، مولانا مفتی جمیل احمد، مولانا قاضی کفایت اللہ، مولانا قاضی مراد اللہ، مولانا حافظ فضل الہادی اور دیگر رفقاء کے ساتھ آپ کے سامنے اسٹیج پر موجود ہیں۔

اس مناسبت سے ہم نے آپس میں مشورہ کیا ہے کہ شکرانہ کے طور پر ہم ۲۱ مئی کو جامعہ انوار العلوم کی صد سالہ تقریب کا اہتمام کریں گے جس میں سرکردہ اصحابِ فکر و دانش مرکزی جامع مسجد گوجرانوالہ اور جامعہ انوار العلوم کی خدمات اور تاریخی کردار پر روشنی ڈالیں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

چند باتیں بخاری شریف کی

اس کے بعد بخاری شریف کا آخری سبق پڑھنے والے طلبہ کرام کو، جو اَب علماء کہلائیں گے، چند باتوں کی طرف بطور سبق اور یاددہانی توجہ دلانا چاہوں گا۔ آپ حضرات نے بخاری شریف کے آخری باب اور روایت کی قراءت کی ہے جو ہم نے سنی ہے اور اس سے آپ کا سبق مکمل ہو گیا ہے۔ مگر آپ کے پڑھے ہوئے اسباق میں سے دو تین باتوں کی طرف توجہ دلانا ضروری سمجھتا ہوں:

بخاری شریف کا اصل نام

ایک یہ کہ بخاری شریف کا نام ایک بار پھر ذہن میں تازہ کر لیں کہ اس کتاب کا اصل نام بخاری شریف نہیں ہے، یہ عرفی نام ہے۔ اصل نام "الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سننہ و ایامہ" ہے۔ اس نام کے ہر لفظ کا ایک مستقل پس منظر ہے۔ مگر ابھی صرف پہلے لفظ "الجامع" پر غور کر لیں جس کا مطلب علمی طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ "الجامع" حدیث کی اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں عقائد، عبادات، احکام، اخلاقیات، مغازی، سیر اور تفسیر کے ضروری ابواب سب موجود ہوں۔ اس کا اصل معنٰی یہی ہے مگر عصری ماحول اور تقاضوں کے مطابق میں اس کا ایک اور مفہوم آپ حضرات کے ذہنوں میں ڈالنا چاہتا ہوں کہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ انسانی سوسائٹی کو درپیش کم و بیش تمام مسائل کا اس میں احاطہ کیا گیا ہے اور یہ کتاب سماج کی تمام ضروریات کی جامع ہے۔

انسانی سماج کی راہنما کتاب

بات سمجھانے کے لیے میں عرض کیا کرتا ہوں کہ بخاری شریف کی دونوں جلدوں کی فہرست دیکھ لیں اور انسانی سوسائٹی کو آج کے دور میں درپیش مسائل کی ایک فہرست بنا کر اس سے تقابل کر لیں تو شاید ہی انسانی سوسائٹی کا کوئی ایسا مسئلہ ہو جو رہ گیا ہو اور امام بخاریؒ نے اس کے بارے میں قرآن و حدیث سے کوئی نہ کوئی راہنمائی پیش نہ کی ہو۔ بخاری شریف کی جامعیت کا یہ پہلو آج کے دور میں پیشِ نظر رکھنا اور اس کے مطابق اسے انسانی سماج کے راہنما کے طور پر پیش کرنا ضروری ہے اور اسے آپ کو مستقل طور پر سامنے رکھنا چاہیے۔

درست عقائد کی تصدیق سے غلط عقائد کی تردید تک

دوسری گزارش یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے الجامع الصحیح کا آغاز کتاب الایمان سے کیا ہے اور کتاب التوحید پر اسے مکمل کیا ہے۔ دونوں کا تعلق ایمان و عقیدہ سے ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ کتاب الایمان میں عقائد کا مثبت طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ کن کن باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے، جبکہ کتاب التوحید میں غلط عقائد اور عقائد کی غلط تعبیرات کا رد کیا گیا ہے۔ یہ پہلو بھی آج کے دور میں بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اس لیے کہ آج کا عالمی فلسفہ مسلمانوں سے پورے اصرار کے ساتھ یہ تقاضہ کر رہا ہے کہ ایمان و عقیدہ میں صرف مثبت بات کا ذکر کیا جائے اور منفی طور پر کوئی بات نہ کہی جائے۔ یعنی مسلمان صرف اپنے مذہب کی خوبیاں اور اس کا حق ہونا بیان کریں لیکن دوسرے مذہب کی کمزوریوں اور ان کے غلط ہونے کا تذکرہ نہ کریں۔ کیونکہ یہ ان کے خیال میں منفی بات ہے جس کا مذہب کے حوالہ سے ذکر نہیں ہونا چاہیے۔

یہ اسی طرز کا مطالبہ ہے جیسا قریش مکہ کے سرداروں نے جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس کی صفات اور کمالات بیان کریں مگر ہمارے خداؤں کی نفی نہ کریں اور ان کے بارے میں کوئی منفی تبصرہ نہ کریں۔ آج بھی ہم سے وہی مطالبہ ہے جس کے جواب میں یہ گزارش ہے کہ ہمارا تو بنیادی کلمہ ہی نفی (لا الہ) سے شروع ہوتا ہے اور ایمان و عقیدہ نفی اور اثبات دونوں سے تشکیل پاتا ہے۔ ہم کلمہ طیبہ میں باقی سب کی نفی کر کے ایک اللہ کی بات کرتے ہیں۔ اس لیے ہم سے یہ تقاضہ ہمارے بنیادی عقیدہ کے خلاف ہے کہ کسی کی نفی نہ کریں اور صرف مثبت بات کریں۔ امام بخاریؒ نے بخاری شریف کا آغاز اور اختتام دونوں عقائد کے حوالہ سے کیا ہے، اور مثبت عقائد کے ساتھ ساتھ منفی عقیدوں کا بھی ذکر کیا ہے کہ صحیح عقائد کے اقرار کے ساتھ غلط عقائد اور عقائد کی غلط تعبیرات کی نفی بھی ضروری ہے اور اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔

امام بخاریؒ کا طرزِ استدلال

تیسری بات یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ امام بخاریؒ کا طرزِ استدلال اور دائرہ استدلال بھی آج کے دور میں بہت زیادہ توجہ طلب ہے۔ وہ کسی بھی شعبہ اور دائرہ میں کوئی مسئلہ بیان کرتے ہیں تو اس کی دلیل کے طور پر قرآن کریم، حدیث و سنت، اور آثارِ صحابہ و تابعین کے تینوں دائروں سے دلیل لاتے ہیں۔

یہی اہلِ سنت کا دائرہ استدلال ہے۔ جبکہ آج کے دور میں یہ کہا جا رہا ہے کہ دلیل صرف قرآن کریم سے لائی جائے باقی امور شرعی دلیل کا مدار نہیں ہیں، جو قطعی طور پر غلط بات اور اہلِ سنت کے مسلّمات کے منافی ہے۔ آپ حضرات نے بخاری شریف اول سے آخر تک پڑھی ہے اور پوری بخاری شریف میں یہ دیکھا ہے کہ کسی تفریق کے بغیر امام بخاریؒ شریعت کے ہر مسئلہ میں قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حدیث و سنت اور آثارِ صحابہؓ و تابعینؒ کو بھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ آج کے دور میں ہمیں اس گمراہی کا مسلسل سامنا ہے جو بڑھتا جا رہا ہے کہ شریعت کا مدار صرف قرآن کریم پر ہے، چنانچہ کسی بے علم شخص کے سامنے کوئی شرعی مسئلہ بیان کیا جائے تو وہ فوراً سوال کر دے گا کہ کیا یہ قرآن کریم میں ہے؟ اس صورتحال میں امام بخاریؒ کے طرز استدلال اور دائرہ استدلال دونوں کو اہتمام کے ساتھ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔

قیامت کے روز وزنِ اعمال اور آج کی سائنس

اس کے ساتھ آخری باب کا تذکرہ کروں گا جس کی قراءت کی گئی ہے کہ امام بخاریؒ نے اس میں اس غلط عقیدہ کا رد کیا ہے کہ قیامت کے دن اعمال اور اقوال کا وزن نہیں ہو گا۔ اس انکار کی اصل وجہ یہ تھی کہ قول اور عمل کا وزن کرنا قدیم زمانے میں مشاہدات اور محسوسات کے دائرے کی چیز نہیں تھی، اس لیے اسے خلافِ عقل قرار دے دیا گیا۔ مگر محسوسات و مشاہدات کا دائرہ کبھی ایک جیسا نہیں رہا، قول اور عمل پرانے دور میں تولنے اور وزن کرنے کی چیزیں نہیں سمجھی جاتی تھیں۔ ٹیکنالوجی کے اس دور میں بات اور عمل دونوں ریکارڈ میں محفوظ ہوتے ہیں اور ان کی مقدار اور وزن بھی معلوم ہو جاتا ہے، اس لیے اس بنیاد پر انکار کا کوئی جواز نہیں ہے۔ چنانچہ امام بخاریؒ نے ان سب باتوں سے قطع نظر آخری باب میں یہ کہا ہے کہ قول اور عمل دونوں کا قیامت کے دن وزن ہو گا۔ اور ایک دلیل حسبِ معمول قرآن کریم سے لائے ہیں کہ "ونضع الموازین" اور دوسری دلیل حدیث سے پیش کی ہے کہ "ثقیلتان فی المیزان" دو کلمے ہیں جو ترازو پر وزنی ثابت ہوں گے۔ جبکہ ایک لفظ کی وضاحت تابعی بزرگ حضرت مجاہدؒ کی زبان سے کی ہے۔ اس لیے اہلِ سنت کے اس دائرہ استدلال کا بھی امام بخاریؒ نے پورا اہتمام کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

قرآن وحدیث کا باہمی تعلق اور حضرت امام بخاریؒ

(۲ فروری ۲۰۲۳ء کو جامعہ اسلامیہ امدادیہ، چنیوٹ میں خطاب)

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ ہمارے سامنے علماء کرام تشریف فرما ہیں جنہوں نے بخاری شریف کی آخری حدیث پڑھی ہے اور وہ طلباء کرام موجود ہیں جنہوں نے قرآنِ مجید حفظ مکمل کیا ہے۔ میں اس موقع پر قرآن مجید اور حدیثِ رسولؐ کے باہمی تعلق پر مختصر بات کرنا چاہتا ہوں۔ قرآنِ مجید اور حدیثِ رسولؐ لازم وملزوم ہیں، لیکن ان کے مابین تعلق پر دو تین باتیں ہر وقت ہمارے ذہن میں رہنا ضروری ہیں، عقیدہ اور ایمان کے طور پر بھی، اور عمل کے طور پر بھی۔ قرآنِ مجید اور حدیثِ رسولؐ کا باہمی تعلق کیا ہے، یہ ہمیشہ ذہن میں تازہ رہنا چاہیے۔

حصولِ قرآن مجید بذریعہ حدیثِ رسولؐ

پہلا تعلق یہ ہے کہ قرآن مجید ہمیں حدیث کے ذریعے سے ملا ہے۔ حدیثِ رسولؐ قرآن مجید تک رسائی کا ذریعہ ہے۔ تفصیلات میں جانے کی بجائے میں ایک مثال عرض کروں گا کہ قرآنِ مجید کی پہلی وحی سورۃ العلق کی ابتدائی آیات ہیں جو ہمیں غارِ حرا سے ملی ہیں۔ غارِ حرا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ واقعہ بیان کیا اور صحابہ کرامؓ نے اس واقعہ کو روایت کیا۔ صحابہ کرامؓ جو بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کریں اسے حدیث کہتے ہیں۔ گویا ہمیں یہ پانچ آیتیں حدیث کے ذریعہ سے ملی ہیں۔ اگر یہ واقعہ ہے تو آیتیں بھی ہیں، واقعہ نہیں ہے تو آیتیں بھی نہیں ہیں۔ اور حدیث ہے تو واقعہ بھی ہے، حدیث نہیں ہے تو واقعہ بھی نہیں ہے۔ حدیث کے علاوہ کسی کے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں ہے کہ ان پانچ آیات تک رسائی حاصل کر سکے۔ اور یہ صرف پانچ آیات کی بات نہیں ہے، "الحمد للہ رب العالمین" سے "من الجنة والناس" تک قرآن مجید کی ہر سورت، ہر آیت اور ہر جملہ ہمیں اسی پراسیس سے ملا ہے۔

قرآنِ مجید کی کوئی بھی آیت یا جملہ دیکھ لیں۔ مثال کے طور پر سورۃ الکوثر کے بارے میں ہمیں کس

نے بتایا کہ یہ سورۃ اللہ تعالیٰ نے نازل کی ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی بتایا ہے، اور جب حضورؐ نے یہ بیان فرمایا تو یہ حدیث ہے۔ گویا ہمیں سورۃ الکوثر حدیث کے ذریعے ملی ہے۔ وہ حدیث جس میں حضورؐ نے فرمایا کہ یہ تین آیتیں نازل ہوئی ہیں، اگر وہ حدیث نہیں ہے تو یہ تین آیتیں کہاں سے آئیں گی؟ لہٰذا قرآنِ مجید کا ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جو ہمیں حدیثِ رسولؐ کے بغیر ملا ہو۔ اور اگر کوئی لفظ جس کے بارے میں حضورؐ نے نہیں فرمایا تو وہ قرآن کا لفظ نہیں ہو سکتا۔

لہٰذا قرآنِ مجید اور حدیثِ رسولؐ کا پہلا تعلق یہ ہے کہ قرآن مجید تک رسائی کا واحد ذریعہ حدیثِ رسولؐ ہے۔ حدیث کے علاوہ ہمارے پاس قرآنِ مجید کی کسی آیت تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

تفسیرِ قرآن مجید اور حدیثِ رسولؐ

قرآنِ مجید اور حدیثِ رسولؐ کا دوسرا باہمی تعلق یہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر اور شرح متعیّن کرنے میں بھی حدیثِ رسولؐ ہی اتھارٹی ہے۔ اگر قرآنِ مجید کی کسی آیت کا مطلب سمجھ میں نہیں آ رہا تو حدیث ہی اس کی وضاحت کرے گی۔ کسی بھی شخصیت کی بات اگر سمجھ نہ آ رہی ہو تو اس کی وضاحت بات کرنے والے سے ہی لیتے ہیں۔ اگر آپ کو میری کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی تو آپ مجھ سے پوچھیں گے، اپنی بات کی وضاحت کا حق مجھے ہے اور اپنی بات کی وضاحت کی اتھارٹی بھی میں ہوں۔ جب میں اپنی کسی بات کا کوئی مطلب بیان کر دوں تو پھر کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہے گی۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات ہم تک پہنچانے کا ذریعہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشادات کی وضاحت کی اتھارٹی بھی حضورؐ ہی ہیں۔ مثلاً سورۃ الکوثر قرآن مجید کی سورت ہے، اسے امت تک پہنچانے کی اتھارٹی حضورؐ ہیں، اور اس کا مطلب اور وضاحت بیان کرنے کی اتھارٹی بھی حضورؐ ہی ہیں۔ اس کا جو مطلب آپؐ بیان فرمائیں گے وہی حرفِ آخر ہو گا۔ اس کی بیسیوں مثالیں ہیں جن میں سے ایک عرض کر دیتا ہوں۔

مسند دارمی کی روایت ہے۔ امام دارمیؒ امام بخاریؒ کے استاد ہیں۔ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں صحابہ کرامؓ تشریف فرما تھے، حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی موجود تھے۔ یہ آیت نازل ہوئی "لیس بامانیّکم ولا امانیّ اهل الکتاب، من یعمل سوءًا یجزبه"۔ آیت کا پس منظر یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک عرصہ تک مسلمان اور یہودی اکٹھے رہتے تھے۔ اکٹھے رہتے ہوئے محلے داری،

شہرداری اور غمی خوشی میں اکٹھے بھی ہوتے تھے اور ایک دوسرے سے باتیں اور بحث ومباحثہ چلتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ کسی جگہ بیٹھے ہوئے ایک یہودی نے کہا کہ ہم رسولوں کا خاندان ہیں "نحن ابناء الله واحباءه" ہم اللہ کے محبوب اور بیٹے ہیں، ہم سیدھے جنت میں جائیں گے۔ اس کے جواب میں ایک مسلمان نے کہا کہ تم انبیاء کے خاندان سے ہو، اس لیے سیدھا جنت میں جاؤ گے، ہم تو انبیاءؑ کے سردارؑ کے ساتھی ہیں، ہمیں جنت میں جانے سے کون روکے گا؟ اللہ تعالیٰ کو یہ ادا پسند نہ آئی، ارشاد فرمایا "ليس بامانيكم ولا امانى اهل الكتاب من يعمل سوءا يجز به" کہ نہ تمہاری آرزوؤں پر فیصلے ہوں گے اور نہ اہلِ کتاب کی آرزوؤں پر فیصلے ہوں گے، بلکہ اعمال پر فیصلے ہوں گے۔ جس نے بھی برا عمل کیا اس کو بھگتنا پڑے گا اور اسے اس کا بدلہ ملے گا۔ سوءً انکرہ ہے اور یہ جملہ شرطیہ ہے، شرط اور جزا میں لزوم ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ جس نے ذرا بھی برا عمل کیا تو اسے اس کی سزا ضرور ملے گی۔ حضرت صدیق اکبرؓ سامنے بیٹھے ہوئے تھے، یہ سن کر پریشان ہوگئے، چہرے کا رنگ فق ہوگیا، قریب تھا کہ گر پڑتے، یہ سوچ کر کہ اگر ہر چھوٹی بڑی غلطی پر سزا ملے گی تو ہمارا کیا بنے گا؟

اس حوالے سے میں ایک بات عرض کیا کرتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ چونکہ قرآن مجید کو سمجھتے تھے اس لیے ایسی باتوں پر پریشان ہو جاتے تھے۔ ہم لوگ نہ سمجھتے ہیں اور نہ پریشان ہوتے ہیں۔ کوئی بات سمجھ میں آئے گی تو پریشان ہوں گے، جب سمجھنا ہی نہیں تو پریشان کیوں ہوں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھ کر پوچھا ابوبکر! کیا ہوا خیر تو ہے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ نے یہ آیت سنائی ہے کہ ہر غلطی کرنے والا پکڑا جائے گا، اسے سزا ملے گی، تو پھر بچے گا کون؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "يجز به" کا یہ مطلب نہیں کہ قیامت میں ہی پکڑا جائے گا بلکہ اللہ تعالیٰ دنیا میں مومن کو پیش آنے والی مصیبت، آزمائش، نقصان اور پریشانی وغیرہ کو اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ مطمئن اور خوش ہوگئے۔ "يجز به" کا جو معنیٰ حضرت ابوبکرؓ نے سمجھا، آیت کا وہ مطلب نہیں تھا، بلکہ اس کا وہ مطلب ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا ہے۔ اور یہ مطلب ہمیں حدیث کے ذریعے معلوم ہوا۔ الغرض قرآن مجید کی تفسیر وتشریح کا ذریعہ بلکہ اتھارٹی بھی حدیث ہی ہے۔

احکامِ قرآن مجید کی تکمیل حدیثِ رسولؐ سے

قرآنِ مجید اور حدیثِ رسولؐ کا تیسرا باہمی تعلق یہ ہے کہ قرآن مجید کے بہت سے احکامات کی تکمیل حدیثِ رسولؐ کے ذریعے ہوتی ہے۔ اس کی بیسیوں مثالوں میں سے ایک مثال عرض کرتا ہوں۔

مسند دارمی کی روایت ہے کہ حضرت عمران بن حصینؓ، جو فقہاء صحابہ میں سے ہیں، اپنی محفل میں بیٹھے تھے کہ ایک آدمی آیا، اس نے سلام عرض کیا اور کہا کہ میں نے ایک مسئلہ پوچھنا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ آپ نے مسئلہ قرآن سے بتانا ہے۔ آج کل بھی یہ رویہ عام ہو گیا ہے کہ مسئلہ قرآن سے بیان کرو۔ حضرت عمران بن حصینؓ ذرا جلالی بزرگ تھے۔ جلالی حضرات کا بات کرنے کا اپنا انداز ہوتا ہے۔ آپؓ نے اس سے کہا بیٹھو، اور اس سے پوچھا کہ آج تم نے فجر کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی تھیں؟ اس نے کہا دو رکعتیں۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ فجر کی دو رکعتیں پڑھنے کا ذکر قرآن مجید میں ہے؟ اس نے کہا نہیں! تو آپؓ نے فرمایا کہ پھر دو رکعتیں کیوں پڑھی تھیں؟ پھر اس سے پوچھا کہ دو رکعتوں میں کتنے سجدے کیے تھے؟ اس نے کہا چار! آپ نے پوچھا کہ ان چار سجدوں کا ذکر قرآن مجید میں ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ پھر چار سجدے کیوں کیے تھے۔ اس پر اس آنے والے نے کہا کہ ٹھیک ہے بات سمجھ میں آ گئی ہے۔ حضرت عمران بن حصینؓ نے فرمایا کہ نماز کے اصولی احکام قرآنِ مجید میں ہیں جبکہ تفصیلی احکام حدیثِ رسولؐ میں ہیں۔ قرآنِ اور حدیث مل کر کسی حکم کو مکمل کرتے ہیں۔ نماز کا ایک حصہ قرآنِ مجید میں بیان ہوا ہے تو دوسرا حصہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔ قرآن اور حدیث کو اکٹھے ملا کر عمل کریں گے تو نماز مکمل ہو گی۔

قرآن مجید اور حدیثِ رسولؐ کے باہمی تعلق کے حوالے سے میں نے تین باتیں عرض کی ہیں۔ قرآن مجید تک رسائی کا ذریعہ حدیث ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کی منشا کیا ہے یہ بھی حدیث سے معلوم ہو گا، اور قرآن مجید کے حکم کی تکمیل بھی حدیث کرتی ہے۔

اس کے بعد بخاری شریف کی آخری حدیث کے حوالے سے چند ایک باتیں عرض کرتا ہوں۔

امام بخاریؒ اور وزنِ اعمال کا مسئلہ

امام بخاریؒ نے جو آخری باب قائم کیا ہے اس میں ایک غلط عقیدے کی تردید کی ہے۔ اہلِ سنت

والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ قیامت قائم ہوگی، حشر بپا ہوگا، اللہ تعالیٰ کی عدالت قائم ہوگی جس میں حساب وکتاب ہوگا اور اس کے لیے ترازو قائم کیا جائے گا جس میں انسانوں کی باتیں اور اعمال تولے جائیں گے، زبان سے نکلی ہوئی بات اور جسم سے صادر ہونے والا عمل دونوں تولے جائیں گے۔ کسی زمانے میں یہ بات سمجھ میں آنے والی نہیں تھی کہ بات کیسے تولی جائے گی؟ بات تو زبان سے نکلی اور ختم ہوگئی، اسی طرح عمل بھی اعراض میں سے ہے جواہر میں سے نہیں ہے، تو ان کا وزن کیسے ہوگا؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی تو کچھ لوگوں نے انکار کر دیا۔ لیکن ہر بات کا سمجھ میں آنا ضروری نہیں ہے، بہت سی باتیں پہلے سمجھ میں نہیں آتی تھیں لیکن اب سمجھ میں آرہی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ بات بھی ہے کہ بات کیسے تلتی ہے یا عمل کیسے تولا جائے گا۔

جیسا کہ اب میں بات کر رہا ہوں تو یہ بات ہوا میں ضائع نہیں ہو رہی بلکہ ریکارڈ ہو رہی ہے اور اس کا وزن بھی ہو رہا ہے کہ کتنے KB یا کتنے MB کی ہے، یہ بات پانچ سیکنڈ کی ہے یا دس سیکنڈ کی ہے؟ اسی طرح میری حرکات وسکنات بھی ریکارڈ ہو رہی ہیں اور ان کا وزن بھی ہو رہا ہے کہ کتنے MB یا کتنے GB کی ہیں۔ یہ بات سو سال پہلے سمجھ نہیں آرہی تھی لیکن آج سمجھ آرہی ہے، اس لیے میں کہتا ہوں کہ جو باتیں اب سمجھ میں نہیں آرہیں وہ بعد میں سمجھ میں آجائیں گی۔ اس لیے اس وجہ سے کسی بات کا انکار نہ کیا جائے بلکہ اس کا انتظار کیا جائے۔ ایک زمانے میں اس پر اشکال تھا لیکن اب کوئی اشکال نہیں ہے کہ باتیں اور اعمال کیسے تلیں گے۔

امام بخاریؒ نے اُن کا رد کیا کہ "ان اعمال بنی آدم و قولهم یوزن" کہ انسان کا عمل بھی تُلے گا اور بات بھی تُلے گی۔ امام بخاریؒ نے اس دعوے پر دو دلیلیں دی ہیں:

پہلی دلیل قرآنِ مجید سے دی، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ونضع الموازین القسط لیوم القیامة" کہ ہم انصاف کے لیے ترازو قائم کریں گے۔ جب اللہ تعالیٰ خود کہہ رہے ہیں کہ میں یہ کام کروں گا تو اس پر کوئی اشکال نہیں رہتا۔

کسی موقع پر ایک نوجوان نے پوچھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا تھا؟ میں نے کہا ہاں ہوا تھا؟ اس نے پوچھا جاگتے ہوئے ہوا تھا؟ میں نے کہا ہاں جاگتے ہوئے ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ جسم مبارک کے ساتھ معراج ہوا تھا؟ میں نے کہا ہاں جسم مبارک کے ساتھ معراج ہوا تھا۔ اس نے

کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں پر تشریف لے گئے تھے؟ میں نے کہاہاں تشریف لے گئے تھے۔ اس نے کہاکہ یہ کیسے ممکن ہے؟ تومیں نے کہاکہ حضورؐ نے کب فرمایا ہے کہ میں آسمانوں پر گیا تھا؟ معراج کی سب سے بڑی دلیل سورۃ الاسراء کی پہلی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ"۔ کیا اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمارہے ہیں کہ میں معراج پر گیا تھا؟ یا پھر اللہ رب العزت فرمارہے ہیں کہ میں اپنے بندے کو لے گیا تھا۔ جب اللہ تعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ میں لے کر گیا تھا تو اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ حدیث میں بھی یہ کہیں نہیں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہو کہ میں معراج پر گیا تھا، بلکہ "اُسرِیَ بِیْ" کے الفاظ ہیں کہ مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا، مجھے سیر کرائی گئی۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ میں ترازو قائم کروں گا تو اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اس لیے امام بخاریؒ نے وزنِ اعمال پر یہ دلیل دی۔

اور دوسری دلیل حضرت ابوہریرہؓ سے مروی حدیث ذکر کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن" کہ زبان سے نکلنے والے دو جملے اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں، "خفیفتان علی اللسان" جو زبان پر ہلکے پھلکے ہیں، مشکل نہیں ہیں، "ثقیلتان فی المیزان" لیکن جب حساب کتاب کا ترازو قائم ہوگا تو وہ کلمے بڑے وزنی ثابت ہوں گے۔ اور وہ دو کلمے یہ ہیں "سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم"۔ امام بخاریؒ کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ ہم ترازو کو قائم کریں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ کلمے تولے جائیں گے تو اعمال واقوال کا وزن ہونے میں کیا اشکال باقی رہ جاتا ہے؟

آخر میں تمام فضلاء کرام کو مبارکباد پیش کروں گا، اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے علم کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائیں، فہم نصیب فرمائیں اور عمل کی توفیق عطا فرمائیں، آمین۔

بخاری شریف صرف حدیث کی کتاب نہیں

(۷ جنوری ۲۰۲۴ء کو جامعہ رحیمیہ دار المبلغین، کوٹ ادو میں خطاب)

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ حضرت مولانا محمد عمر قریشی دامت برکاتہم ہمارے بزرگ اور بڑے بھائی ہیں، شفقت فرماتے ہیں تو حاضری ہو جاتی ہے اور اس مبارک محفل میں حاضری لگ جاتی ہے۔ اس سے بڑا احسان یہ فرماتے ہیں کہ ان بزرگوں کی زیارت کروا دیتے ہیں جو شاید ہم زندگی بھر نہ کر پاتے۔ حضرت کی مہربانی سے اللہ والوں کی زیارت نصیب ہوئی ہے اور ان کی مجلس میں بیٹھنے کا شرف حاصل ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مجلس کو ہمارے ان بزرگوں کی برکت سے قبولیت سے نوازیں اور برکات اور ثمرات سے بہرہ ور فرمائیں۔ ایک بچے نے بخاری شریف کی آخری روایت پڑھی ہے اور دوسرے بچے نے مشکوٰۃ شریف ختم کر کے بخاری شریف کا آغاز کرنے کے لیے پہلی روایت پڑھ دی ہے تو سبق ہو گیا ہے۔ سبق اتنا ہی ہوتا ہے کہ روایت پڑھ لی جائے اور سن لی جائے، لیکن بزرگوں کی دعا سے پہلے طالب علمانہ طور پر دو تین باتیں عرض کرنا چاہوں گا۔ اصل مخاطب تو یہ بچے ہوں گے، لیکن سب سے بات کر رہا ہوں۔

بخاری شریف پانچ علوم کا مجموعہ ہے

بخاری شریف کے بارے میں عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ حدیث شریف کی کتاب ہے۔ یہ بات ٹھیک ہے، اس سے کوئی انکار نہیں ہے۔ امام بخاریؒ نے لاکھوں احادیث میں سے بڑی محنت، عرق ریزی اور صبر و حوصلہ کے ساتھ اس کتاب میں ساڑھے چھ ہزار روایات جمع کی ہیں۔ ویسے تو چار ساڑھے چار ہزار روایات ہیں، تکرار کے ساتھ ساڑھے چھ سے پونے سات ہزار ہو جاتی ہیں۔ ان کے اس انتخاب کو اللہ رب العزت نے بہت قبولیت عطا فرمائی ہے، لیکن میں یہ بات آپ کے ذہن میں تازہ کرنا چاہوں گا، جو کہ آپ نے بخاری شریف کی ابتدا میں پڑھی ہوگی، کہ یہ صرف حدیث کی کتاب نہیں ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے تراجمِ ابواب پر جو رسالہ لکھا ہے وہ اس کتاب

میں موجود ہے، اس میں شاہ صاحبؒ نے بخاری شریف کو پانچ علوم کا مجموعہ قرار دیا ہے۔

یہ کتاب التفسیر ہے کیونکہ اس میں قرآن پاک کی آیات کی تفسیر جگہ جگہ بیان کی گئی ہے۔ باضابطہ کتاب التفسیر سے ہٹ کر بھی شاید آپ کو کوئی صفحہ ایسا نہ ملے جس میں روایت کے ساتھ کسی آیت کریمہ کی وضاحت، تشریح اور حوالہ نہ ہو۔ اس لیے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف اصلاً کتاب التفسیر ہے۔

پھر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ صرف حدیث کی کتاب نہیں ہے، فقہ کی کتاب بھی ہے۔ روایت پڑھنا، سننا اور سنانا حدیث ہے، اور قرآن پاک سے یا حدیث سے مسئلہ مستنبط کرنا فقہ کہلاتا ہے۔ قرآن پاک کی تلاوت کرنا قراءت ہے، لیکن قرآن پاک کی کسی آیت سے کوئی مسئلہ مستنبط کرنا کہ اس سے یہ اصول نکلتا ہے، یہ فقہ القرآن ہے۔ اسی طرح حدیث کی روایت پڑھنا، سننا اور سنانا یہ روایت ہے، لیکن حدیث میں سے مسئلہ مستنبط کرنا کہ اس حدیث سے فلاں مسئلہ نکلتا ہے، یہ فقہ ہے۔ میں اپنے عزیز طلبہ کو اس بات کی طرف میں توجہ دلاؤں گا کہ بخاری شریف کی ترتیب کیا ہے۔ امام بخاریؒ صرف احادیث بیان نہیں کرتے بلکہ اس سے پہلے مسئلہ بیان کرتے ہیں۔ ایک عنوان قائم کرتے ہیں جس میں ایک مسئلہ بیان کرتے ہیں پھر اس کے مطابق احادیث لاتے ہیں۔ مسئلہ بیان کر کے اس کے دلائل میں احادیث لانا، یہ امام بخاریؒ کی فقہی ترتیب ہے۔

اس کے ساتھ ایک اور نکتہ ذہن میں رکھ لیں کہ تکرار کے بغیر بخاری شریف کی روایات ساڑھے چار ہزار کے لگ بھگ ہیں، اور تکرار کے ساتھ سات ہزار کے لگ بھگ ہیں۔ دراصل یہ تکرار حدیثوں کا نہیں بلکہ عنوانات کا ہے۔ بخاری شریف میں مسائل کی وجہ سے تکرار ہوا ہے کہ امام بخاریؒ کے استنباطی مسائل زیادہ ہیں اور بخاری شریف میں احادیث کم ہیں۔ اس لیے شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ بخاری شریف فقہ کی کتاب بھی ہے۔

آپ نے بخاری شریف میں دیکھا ہوگا کہ امام بخاریؒ مؤرخ بھی درجہ اول کے ہیں۔ جتنی ہماری ملی اہمیت کی تاریخی روایات ہیں مثلاً حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کا انتخاب، حضرت حسنؓ اور حضرت معاویہؓ کی صلح وغیرہ تاریخی اہمیت کی جو روایات ہیں، انہیں جتنے اہتمام اور جتنی محنت کے ساتھ امام بخاریؒ نے جمع کیا ہے محدثین میں سے کسی اور نے ایسا نہیں کیا۔

اس لحاظ سے یہ تاریخ کی کتاب بھی ہے۔

اس کے علاوہ بخاری شریف تصوف کی کتاب بھی ہے۔ اس میں زہد و رقائق کی روایات بھی امام بخاریؒ نے پورے اہتمام کے ساتھ بیان فرمائی ہیں۔ تصوف کے لیے ہماری آج کی اصطلاح سلوک و احسان کی ہے۔ اُس زمانے میں زہد و رقائق کی اصطلاح تھی۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ امام بخاریؒ کے استاذ محترم تھے۔ ہمارے طلباءِ حدیث کے ہاں جب کسی کو مطلقاً امیر المومنین فی الحدیث کہا جاتا ہے تو اس سے مراد عام طور پر عبداللہ بن مبارکؒ ہوتے ہیں جو امام بخاریؒ کے استاذ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ بہت بڑے محدث، بہت بڑے صوفی، بہت بڑے مجاہد اور بہت بڑے فقیہ تھے، اللہ تعالیٰ نے بڑی عظمت دی تھی۔ میں تصوف کا عملی پہلو یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ امام بخاریؒ کے بارے میں آتا ہے کہ آپ ایک حدیث لکھنے کے لیے غسل کرتے تھے، کپڑے پہنتے تھے، دو رکعت پڑھتے تھے، پھر ایک روایت لکھا کرتے تھے۔ اگر یہ واقعہ درست ہے تو یہ کام کوئی اونچے درجے کا صوفی ہی کر سکتا ہے، یہ کسی عام آدمی کا کام نہیں ہے کہ ایک روایت لکھنے کے لیے غسل کرے، پھر دو رکعتیں پڑھے، پھر ایک روایت لکھے، پھر دوسری روایت کے لیے دوبارہ غسل کرے۔

بخاری شریف میں مندرجہ بالا چار علوم ہیں اور حدیث کی کتاب تو ہے ہی۔ اس لیے میں یہ بات آپ کے ذہن میں تازہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے صرف حدیث نہیں پڑھی، تفسیر بھی پڑھی ہے، فقہ بھی پڑھی ہے کہ استنباط و استدلال کا طریقہ بھی سیکھا ہے، تاریخ بھی پڑھی ہے، اور زہد و رقائق کی روایات بھی پڑھی ہیں۔ اسی لیے اس کو "الجامع" کہا جاتا ہے۔

بخاری شریف اور ایمانیات و عقائد

میں لمبی بات نہیں کروں گا کہ اتنا وقت نہیں ہے، آج کے حالات کی مناسبت سے آج کی دنیا کا جو علمی، فکری اور فلسفے کا دائرہ ہے، اس میں امام بخاریؒ کے حوالے سے دو باتیں آپ سے عرض کرنا چاہوں گا۔

پہلی بات یہ ہے کہ بخاری شریف کی پہلی کتاب کتاب الایمان ہے اور آخری کتاب جس کی آپ نے روایت پڑھی ہے وہ "كتاب الرد على الجهمية وغيرهم التوحيد" ہے۔ امام بخاری نے درمیان میں ساری دنیا کے مسائل اکٹھے کر دیے لیکن آغاز کتاب الایمان سے اور اختتام کتاب التوحید

پر کیا ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ کتاب الایمان میں امام بخاریؒ نے ایمانیات بیان کی ہیں، اور کتاب الرد علی الجہمیۃ وغیرہم میں غلط عقائد کا اور عقائد کی غلط تعبیرات کا رد کیا ہے۔ یعنی آغاز میں ایمانیات کی فہرست ہے اور اختتام میں غلط ایمانیات، غلط عقائد اور عقائد کی غلط تعبیرات کا رد ہے۔ امام بخاریؒ نے ہمیں یہ بتایا ہے کہ عقیدہ صرف مثبت نہیں ہوتا بلکہ منفی بھی ہوتا ہے۔ اور آج کے دور میں یہ بات سمجھنا بہت زیادہ ضروری ہے کیونکہ ہمیں عالمی فوروموں اور عالمی سطح پر یہ کہا جاتا ہے کہ مولوی صاحب! آپ اسلام کی بات ضرور کریں لیکن پازیٹو بات کریں، نیگیٹو بات نہ کریں، مثبت بات کریں، منفی بات نہ کریں، اپنی بات کریں، دوسروں کو غلط نہ کہیں۔ میں ان سے کہا کرتا ہوں کہ میرے بھائی! ہمارا تو سبق ہی ''لا'' سے شروع ہوتا ہے کہ ہم پہلے لا الہ کہتے ہیں اس کے بعد الا اللہ کہتے ہیں۔ نفی اور اثبات دونوں کو جمع کیے بغیر ہمارا بنیادی عقیدہ مکمل نہیں ہوتا۔ اس لیے امام بخاریؒ نے ایمانیات کو الگ بیان کیا ہے اور غلط عقائد کی تردید کو الگ بیان کیا ہے جس طرح صحیح عقیدہ رکھنا ضروری ہے، اسی طرح غلط عقیدے سے براءت بھی ضروری ہے۔

بخاری شریف کا دائرۂ استدلال

دوسری بات آج کے ماحول کے تناظر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ "انما الاعمال بالنیات" سے لے کر "ونضع الموازین القسط" تک ساری کتاب پڑھ چکے ہیں۔ امام بخاری کا دائرۂ استدلال کیا ہے؟ آج کل ہمارے جدید فکری حلقوں میں دائرہ استدلال بھی زیر بحث ہے۔ آپ کسی سے بات کریں گے تو وہ کہے گا کہ قرآن سے دلیل دو۔ اگر آپ کہیں گے کہ قرآن میں نہیں ہے تو وہ کہے گا پھر اس بات کو چھوڑو۔ یہ آج کی تشکیک کا سب سے بڑا حربہ ہے۔ اس لیے دیکھنا چاہیے کہ ہمارے دلائل کا دائرہ کیا ہے؟ صحابہ کرامؓ کے دور میں بھی اس طرح کے واقعات ہوئے ہیں، ان میں سے ایک واقعہ بات سمجھنے کے لیے عرض کر دیتا ہوں کہ یہ مسئلہ ہے کیا؟

حضرت عمران بن حصینؓ کی وضاحت

مسند دارمی کی روایت ہے کہ حضرت عمران بن حصینؓ اپنے حلقہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک صاحب آئے اور کوئی مسئلہ پوچھا لیکن ساتھ کہا کہ مسئلہ قرآن سے بتانا۔ حضرت عمران بن حصینؓ فقہاء

صحابہؓ میں سے تھے اور مزاجاً جلالی تھے۔ جلالی آدمی کا جواب دینے کا اپنا انداز ہوتا ہے۔ آنے والے سے پوچھا کہ تم نے آج فجر کی نماز پڑھی تھی؟ الٹا اس پر سوال کر دیا۔ اس نے کہا جی پڑھی تھی۔ پوچھا کتنی رکعتیں پڑھی تھیں؟ اس نے کہا دو رکعتیں۔ پوچھا دو رکعتیں قرآن میں ہیں؟ اس نے کہا نہیں ہیں۔ فرمایا پھر دو رکعتیں کیوں پڑھی تھیں؟ پھر پوچھا دو رکعت میں کتنے سجدے کیے تھے؟ اس نے کہا چار۔ پوچھا کہ چار سجدے قرآن میں ہیں؟ اس نے کہا نہیں۔ تو فرمایا پھر کیوں چار سجدے کیے تھے؟ اس پر وہ خاموش ہو گیا۔

یہ پرانے سوالات چلے آ رہے ہیں۔ آج بھی اس طرح کے سوالات کیے جاتے ہیں کہ یہ مسئلہ قرآن میں ہے یا نہیں ہے؟ اور حدیث کس درجے کی ہے؟ میں اس کا سادہ سا فارمولا عرض کرتا ہوں کہ امام بخاریؒ نے کتاب الایمان سے لے کر کتاب الرد علی الجہمیۃ تک احکام بھی بیان کیے ہیں، معاملات، اخلاقیات، تاریخ اور سیرت بھی بیان کی ہے۔ اور طرزِ استدلال یہ ہے کہ مسئلہ بیان کر کے پہلے نمبر پر قرآن مجید سے دلیل لاتے ہیں، اس کے بعد دوسرا نمبر حدیث و سنت کا ہے، اس کے بعد تیسرا نمبر صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے اقوال اور تعامل کا ہے۔ پوری بخاری شریف میں آپ کو یہ تین دلیلیں ملیں گی اور استدلال کے یہی تین دائرے ہیں۔ میں یہ بات آپ کے ذہن میں تازہ کرنا چاہتا ہوں کہ امام بخاریؒ نے اہل سنت کے دائرہ استدلال کو متعین کیا ہے کہ قرآن مجید بھی ہماری دلیل ہے، حدیث و سنت بھی ہماری دلیل ہے، اور آثارِ صحابہ کرامؓ و تابعینؒ بھی ہماری دلیل ہیں۔

ایمان بالغیب کی تفہیم

اب میں اس روایت کے حوالے سے ایک دو باتیں عرض کروں گا۔

وزنِ اعمال کا عقیدہ

بخاری شریف کی آخری روایت ایک غلط عقیدے کے رد میں ہے۔ ہم سب کا ایمان ہے کہ قیامت قائم ہوگی، حشر ہوگا، حساب کتاب ہوگا جس میں اعمال کا حساب بھی ہوگا اور اقوال کا بھی ہوگا۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ اعمال بھی تلیں گے اور اقوال بھی تلیں گے۔ بعض لوگوں کو کچھ عرصہ پہلے تک سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ بات کیسے تلتی ہے۔ ہماری اصطلاح یہ ہے کہ اعمال و اقوال اعراض میں سے ہیں،

جواہر میں سے نہیں ہیں۔ لیکن میں سادہ لفظوں میں عرض کر رہا ہوں کہ یہ اشکال ہوتا تھا کہ بات منہ سے نکل کر ہوا میں تحلیل ہو جاتی ہے تو وزن کس چیز کا ہو گا؟ ایک زمانے میں مشہور محاورہ تھا "اذا تلفظ فتلاشی" اس محاورے نے ہزاروں سال ہمارے ذہنوں پر حکمرانی کی ہے کہ بات منہ سے نکلتی ہے تو گم ہو جاتی ہے، لاشے ہو جاتی ہے۔ جبکہ آج یہ محاورہ خود فتلاشی ہو گیا ہے۔ میرے منہ سے بات نکل رہی ہے تو یہ گم نہیں ہو رہی بلکہ ریکارڈ ہو رہی ہے۔ بات کرنے والا ایک ہے مگر ریکارڈ کرنے والے کتنے ہوں گے؟ اور پھر اس ریکارڈنگ کا وزن بھی ہوتا ہے کہ یہ اتنے KB یا اتنے MB کی ہے۔ اسی طرح میری حرکات و سکنات بھی ریکارڈ ہو رہی ہیں اور ان کا وزن بھی ہو رہا ہے کہ کتنے MB یا کتنے GB کی ہیں۔ ایک دفعہ ریکارڈ ہونے کے بعد اسے جتنی مرتبہ مرضی دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ باتیں کچھ عرصہ قبل سمجھ نہیں آ رہی تھیں، مگر آج سمجھ آ رہی ہیں۔ اس لیے یہ کہنا کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آ رہی، انکار کی دلیل نہیں ہے۔ امام بخاریؒ نے کہا کہ دلیل قرآن پاک اور سنتِ رسولؐ ہے۔ اگر کوئی بات آج سمجھ میں نہیں آ رہی تو کل سمجھ آ جائے گی۔

بلا تصدیق خبروں کی تشہیر

اس پر میں اپنا ذاتی واقعہ عرض کیا کرتا ہوں۔ میں نے بخاری شریف والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر قدس اللہ سرہ العزیز سے ۱۹۶۹ء میں پڑھی تھی۔ ایک روایت میں ذہن الجھ گیا تو میں نے سوال کر دیا۔ معراج شریف کی روایت میں ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ مجرموں کو سزا ملتے دکھایا گیا۔ ایک مجرم کو یہ سزا مل رہی تھی کہ اس کی باچھیں چیری جا رہی تھیں، ناک کے سوراخ، اور آنکھوں کے سوراخ سے چیرا جا رہا تھا۔ فرشتے اسے چیرتے ہیں، پھر ٹھیک ہو جاتا ہے، پھر چیرتے ہیں، پھر ٹھیک ہو جاتا ہے۔ حضور نبی کریمؐ نے یہ منظر دیکھ کر فرشتوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے جس کی باچھیں بار بار چیری جا رہی ہیں؟ اس کا کیا جرم ہے؟ فرشتوں نے بتایا کہ یا رسول اللہ! یہ وہ آدمی ہے جو ایک بات بناتا اور گھڑتا تھا اور "یبلغ به الآفاق" اسے کائنات کے کناروں تک پہنچا دیتا تھا۔ روایت پڑھتے ہوئے "یبلغ به الآفاق" میرے ذہن میں نہیں آ رہا تھا کہ کائنات کے کناروں تک بات پہنچانا کیسے ہوتا ہے۔ والد صاحبؒ کا اپنا مزاج تھا، ٹھیٹھ پنجابی لہجے میں کہنے لگے "بیٹا! یہ بات میری سمجھ میں بھی نہیں آئی لیکن ایسا ضرور ہو گا۔"

ستر سال پہلے جو ناقابلِ فہم تھا آج "یبلغ به الآفاق" کا ذریعہ موبائل کی صورت میں ہر وقت میری جیب میں رہتا ہے۔ میں صبح صبح تین چار پوسٹیں سینڈ کرتا ہوں اور انہیں دنیا کے کناروں تک پہنچانے میں چند لمحے لگتے ہیں، نیویارک بھی پہنچی ہوتی ہے، ہانگ کانگ، کیپ ٹاؤن، شکاگو اور لندن بھی پہنچی ہوتی ہے۔ اس لیے میں دوستوں سے عرض کیا کرتا ہوں کہ میری سمجھ، تمہاری سمجھ، ہماری سمجھ، یہ انکار کی دلیل نہیں ہے۔

امام بخاریؒ نے اپنے لہجے میں بات سمجھائی ہے اور یہ عنوان قائم کیا ہے "ان اعمال بنی أدم وقولهم یوزن" کہ باتیں بھی تلیں گی اور عمل بھی تلیں گے۔ اس پر امام بخاریؒ نے دو دلیلیں دی ہیں، ایک قرآن مجید سے اور ایک حدیث مبارکہ سے۔ قرآن مجید سے یہ دلیل دی کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "ونضع الموازین القسط لیوم القیامة" ہم قیامت کے دن میزان قائم کریں گے اور اس میں سب کچھ تلے گا۔ یہاں یہ سمجھنے کی بات ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ میں میزان قائم کروں گا اور اعمال تولوں گا، تو اللہ تعالیٰ سے کوئی سوال کر سکتا ہے کہ یا اللہ! کیسے تولے گا؟

سفرِ معراج کے متعلق ایک مختصر مکالمہ

اسی مناسبت سے ایک واقعہ عرض کرتا ہوں کہ کسی موقع پر ایک نوجوان نے مجھ سے پوچھا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوا تھا؟

میں نے کہا ہاں ہوا تھا؟

اس نے پوچھا جاگتے ہوئے ہوا تھا؟

میں نے کہا ہاں جاگتے ہوئے ہوا تھا۔

اس نے کہا کہ جسم مبارک کے ساتھ معراج ہوا تھا؟

میں نے کہا ہاں جسم مبارک کے ساتھ معراج ہوا تھا۔

اس نے کہا حضورؐ آسمانوں پر تشریف لے گئے تھے؟

میں نے کہا ہاں تشریف لے گئے تھے۔

اس نے کہا کہ یہ کیسے ممکن ہے؟ ہمیں تو کراچی جانا ہو تو جہاز میں جانا پڑتا ہے اور آپؐ آسمانوں پر چلے گئے۔

آج کل کے عام سوالات کا لیول اور دائرہ یہی ہے۔

میں نے اس سے پوچھا بیٹا! جناب نبی کریمؐ نے کب فرمایا ہے کہ میں آسمانوں پر گیا تھا؟ معراج کی سب سے بڑی دلیل سورۃ الاسراء کی پہلی آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "سبحان الذی اسرٰی بعبدہٖ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصٰی" جب اللہ تعالیٰ کہہ رہے ہیں کہ میں اپنے بندے کو لے کر گیا تھا تو اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ حدیث میں بھی یہ نہیں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا ہو کہ میں معراج پر گیا تھا، بلکہ "عرج بی الی السمآء" اور "اسری بی" کے الفاظ ہیں کہ مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا، مجھے سیر کرائی گئی۔ جب اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ میں لے کر گیا تھا تو کیا اللہ تعالیٰ سے سوال بنتا ہے کہ وہ کیسے لے گیا تھا؟ اللہ تعالیٰ کے لیے کونسی بات ناممکن ہے؟ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ میں ترازو قائم کروں گا تو اب کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔ اس لیے امام بخاریؒ نے وزنِ اعمال پر پہلی دلیل یہ دی کہ اللہ تعالیٰ کہہ رہے ہیں میں اعمال کا وزن کروں گا، تو وزنِ اعمال ہو گا۔

"سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم"

دوسری دلیل کے طور پر امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرۃؓ سے مروی حدیث ذکر کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کلمتان حبیبتان الی الرحمٰن" کہ زبان سے نکلنے والے دو جملے اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں "خفیفتان علی اللسان" جو زبان پر ہلکے پھلکے ہیں مشکل نہیں ہیں "ثقیلتان فی المیزان" لیکن جب حساب کتاب کا ترازو قائم ہو گا تو وہ کلمے بڑے وزنی ثابت ہوں گے۔ وہ دو کلمے یہ ہیں "سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم"۔ اس حدیث میں "ثقیلتان فی المیزان" کے الفاظ وزنِ اعمال کی دلیل ہے۔ امام بخاریؒ سادہ سی بات کہہ کر بات نمٹا رہے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہم ترازو قائم کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ کلمے تولے جائیں گے، تو اعمال و اقوال کا وزن ہونے میں کیا اشکال باقی رہ جاتا ہے؟ اس لیے کسی اور بحث میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

میں نے گزارش کی ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حوالے سے سب سے بڑا سبق یہ دیا ہے کہ ہمارے دائرۂ استدلال کی تین بنیادیں ہیں (۱) قرآن مجید (۲) حدیث و سنت (۳) اور صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ کے اقوال، آثار اور تعامل۔ کل بھی یہی بنیاد تھی، آج بھی یہی ہے اور یہی قیامت تک رہے گی، ان شاء اللہ

العزیز۔ اللہ تعالیٰ آپ کو علم مبارک کریں، اس کی حفاظت کی توفیق عطا فرمائیں، اور ان بزرگوں سے استفادہ کرتے رہنے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

عصرِ حاضر میں بخاری شریف کا پیغام

(۲۱ جنوری ۲۰۲۴ء کو جامعہ فریدیہ، سی بی آر ٹاؤن، اسلام آباد میں خطاب)

بعد الحمد والصلوٰۃ۔ مولانا محمد یعقوب طارق کا شکر گزار ہوں کہ یاد فرمایا، حضرات علماء کرام کی زیارت ہوئی، آپ سے ملاقات ہوئی، اور ایک اچھی مجلس میں جہاں جامعہ فریدیہ کے فضلاء نے بخاری شریف کا آخری سبق پڑھا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری حاضری قبول فرمائیں۔ چند باتیں عرض کروں گا مگر ابتدا ایک لطیفے سے کروں گا۔ ہمارے نقیب حضرات کو بہت شوق ہوتا ہے کہ انہوں نے خطیب کو دعوت دینے کے لیے پانچ سات لقب بولنے ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ لاہور میں جلسہ تھا، سٹیج سیکرٹری نے مجھے دعوت دینے کے لیے آٹھ دس لقب بول دیے، ان میں ایک لفظ تھا "بین الاقوامی شخصیت" میں نے گفتگو کے آغاز میں کہا کہ انہوں نے یہ بالکل ٹھیک کہا ہے، میں ان کا شکرگزار ہوں۔ میں واقعی بین الاقوامی شخصیت ہوں کہ میرا دادا پٹھان، دادی گجر، والدہ راجپوت اور سسرال ارائیں ہیں، میرے بین الاقوامی ہونے میں کیا شک ہے۔ میرے پاس چار سمیں ہیں جہاں جس کی ضرورت ہوتی ہو وہ استعمال کر لیتا ہوں۔

علم کی حفاظت وقدر

مجھ سے قبل مولانا معاویہ اعظم طارق نے جو گفتگو فرمائی ہے میں اس کی تائید میں صحیح بخاری کا ایک قول نقل کروں گا۔ امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں امام ربیعۃ الرائےؒ کا یہ قول نقل کیا ہے "لا ینبغی لاحد عندہ شیء من العلم ان یضیع نفسہ" کہ جس آدمی کے پاس کچھ تھوڑا بہت بھی علم ہے اس کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو ضائع کرے۔ اس لیے کسی عالم دین کو جسے احساس ہو کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر مہربانی فرما رکھی ہے اور علم کا کوئی حصہ دے رکھا ہے تو اسے خود کو ضائع ہونے سے بچانا چاہیے۔ اپنے آپ ضائع کرنے کی صورتیں مولانا نے آپ سے بیان کر دی ہیں، میں نہیں دہراؤں گا۔ صرف اتنی بات عرض کروں گا کہ آپ دین اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندے کے

طور پر معاشرے میں جا رہے ہیں تو اپنے آپ کو ضائع ہونے سے بچائیں، اپنا وقار، استغنا قائم رکھتے ہوئے اور اپنی پوزیشن برقرار رکھتے ہوئے دین، ملک اور قوم کی خدمت کریں۔ یہ میں نے پہلی بات مولانا صاحب کی بات کی تائید میں عرض کی ہے۔

”قرآن خاموش ہے“ کی منطق

اس کے بعد آج کے حالات کے تناظر میں امام بخاریؒ کی یہ بات ذکر کروں گا کہ بخاری شریف میں ان کا طرز استدلال اور دائرہ استدلال کیا ہے؟ کیوں کہ آج استدلال کے دائرے، معیارات اور لہجے تبدیل ہوتے جا رہے ہیں۔ اب سے کچھ عرصہ پہلے یہ کہا جاتا تھا کہ قرآن پاک کی بات تو ٹھیک ہے، قرآن پاک کے بعد کوئی اور بات ہم نہیں مانیں گے۔ ہمارا قرآن پاک پر ایمان ہے، حدیث پر ایمان لانا ضروری نہیں ہے، حدیث حجت نہیں ہے۔ سو، ڈیڑھ سو سال سے یہ بات چل رہی تھی، اب اس نے ایک نئی شکل اختیار کر لی ہے۔ اب کوئی شخص آپ کی بات پر یہ نہیں کہے گا کہ میں حدیث کو نہیں مانتا، بلکہ اب یہ صورتحال ہے کہ آپ کوئی مسئلہ بیان کریں گے تو جواب آئے گا کہ قرآن خاموش ہے۔ اس کا مطلب بھی وہی ہے کہ جو بات قرآن میں نہیں ہے میں اسے نہیں مانتا۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم قرآن مجید، حدیث رسولؐ، آثار صحابہؓ اور آثارِ تابعینؒ، امت کے اجماعی تعامل، اور استدلال کے دائروں کو ذہن میں تازہ کر لیں۔

حضرت عمران بن حصینؓ کی وضاحت

یہ بات نئی نہیں ہے بہت پرانی ہے۔ مسند دارمی کی روایت ہے کہ صحابی رسول حضرت عمران بن حصینؓ اپنی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ایک آدمی آیا، اس نے سلام عرض کیا اور کہا کہ میں نے ایک مسئلہ پوچھنا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ آپ نے مسئلہ قرآن سے بتانا ہے۔ حضرت عمران بن حصینؓ ذرا جلالی بزرگ تھے۔ آپؓ نے اس سے کہا کہ پہلے یہ بتاؤ کہ آج تم نے فجر کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھی تھیں؟ اس نے کہا دو رکعتیں۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ فجر کی دو رکعتیں پڑھنے کا ذکر قرآن مجید میں ہے؟ اس نے کہا نہیں! تو آپؓ نے فرمایا کہ پھر دو رکعتیں کیوں پڑھی تھیں؟ پھر اس سے پوچھا کہ دو رکعتوں میں کتنے سجدے کیے تھے؟ اس نے کہا چار! آپ نے پوچھا کہ ان چار سجدوں کا ذکر قرآن مجید میں ہے؟ اس

نے کہا کہ نہیں۔ تو آپؓ نے فرمایا کہ پھر چار سجدے کیوں کیے تھے؟ اس پر اس آنے والے نے سمجھ لیا کہ ٹھیک ہے بات سمجھ میں آگئی ہے کہ ہر مسئلہ قرآن میں ہونا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اُس زمانے اور آج کے زمانے کا فرق یہ ہے کہ اُس زمانے میں بات سمجھ میں آتی تھی تو انڈرسٹینڈ کر جاتے تھے، آج بات سمجھ میں نہیں آتی تو سٹینڈ ہو جاتے ہیں کہ میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔

یہ جلالی اور الزامی جواب تھا، ایک جمالی جواب بھی عرض کرتا ہوں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی وضاحت

بخاری شریف کی روایت ہے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کوفہ کی مسجد کے ہفتہ وار درس دیا کرتے تھے۔ ایک بار اپنے درس کے دوران یہ بات فرمائی کہ "لعن الله الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله" کہ اللہ تعالیٰ نے گودنے والیوں، گدوانے والیوں، بال اکھاڑنے والیوں اور خوبصورتی کے لیے دانتوں کے درمیان کشادگی کرنے والیوں پر لعنت بھیجی ہے کہ یہ اللہ کی پیدا کی ہوئی صورت میں تبدیلی کرتی ہیں۔ یہ اس زمانے کا فیشن تھا کہ عورتیں دانت رگڑ کر چھوٹے کیا کرتی تھیں، بال اکھاڑا کرتی تھیں اور ہاتھوں پر نام گدوایا کرتی تھیں۔ جب حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے، تو اس پر ایک خاتون ام یعقوبؓ نے ان سے برسر عام سوال کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کا ذکر کر رہے ہیں تو کیا یہ بات قرآن کریم میں موجود ہے؟ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی لعنت کا ذکر قرآن میں ہی ہو سکتا ہے۔

میں عرض کیا کرتا ہوں کہ کوئی ہمارے جیسا مولوی ہوتا تو کہتا کہ قرآن میں نہیں ہے تو پھر وہ خاتون جو کر سکتی تھی کرتی، لیکن جواب دینے والے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تگڑے مولوی تھے، انہوں نے فرمایا کہ ہاں، یہ قرآن مجید میں موجود ہے۔ اس خاتون نے کہا کہ میں نے بھی قرآن کریم پڑھا ہے اس میں یہ بات کہیں بھی نہیں ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے فرمایا "ما قرأتيه، لو قرأتيه لوجدتيه" کہ تم نے قرآن کریم پڑھا ہی نہیں ہے اگر پڑھا ہوتا تو اس میں یہ مل جاتا۔ وہ عورت بولی کہ خدا کی قسم میں نے حرف بہ حرف قرآن کریم کی تلاوت کی ہے اس میں یہ مسئلہ مذکور نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور ام یعقوبؓ کا مکالمہ ہو رہا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن میں ہے، جبکہ وہ کہتی ہے کہ قرآن میں نہیں ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ تم نے قرآن مجید کی سورۃ الحشر

میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھا ہے "ما أتكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا" کہ یہ میرا رسول اور نمائندہ ہے، یہ تمہیں جو چیز دے وہ لے لو، جو کہے اسے مان لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ!؟ام یعقوب نے کہا یہ تو میں نے پڑھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا "سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم لعن الله الواشمات والمستوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغيرات خلق الله" (کتاب اللباس، باب المستوشمۃ) یہ الفاظ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے ہیں اور حضورؐ کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جو وہ کہیں اسے مان لو۔ اس لیے یہ قرآن مجید کے لفظوں میں حصہ ہو یا نہ ہو، قرآن مجید کا مصداق ضرور ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ تفسیر قرطبی میں سورۃ الحشر کی اسی آیت کریمہ کے تحت درج ہے کہ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیت اللہ کا طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص کو حالتِ احرام میں کوئی سلا ہوا کپڑا پہنے دیکھا تو اس سے کہا کہ حالتِ احرام میں مرد کو سلا ہوا کپڑا پہننے کی اجازت نہیں ہے۔ اس شخص نے سوال کیا کہ کیا یہ مسئلہ قرآن میں ہے؟ آپؓ نے فرمایا ہاں قرآن میں ہے۔ اسے بھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہی جواب دیا کہ قرآن کریم کہتا ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں جس کام سے روکیں اس سے رک جاؤ" اور میں نے خود اللہ کے نبیؐ سے سنا ہے کہ مرد کے لیے حالتِ احرام میں سلا ہوا کپڑا پہننا جائز نہیں ہے، اس لیے نبی اکرمؐ کا یہ ارشاد قرآن کریم کی طرف سے ہی ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کی وضاحت

حتیٰ کہ حضرت امام شافعیؒ جو اہل سنت کے چار بڑے ائمہ میں سے ہیں، اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ گئے۔ تفسیر قرطبی میں اسی آیت کے تحت حضرت امام شافعیؒ کا یہ واقعہ نقل کیا گیا ہے کہ کسی روز اپنی محفل میں موج میں آکر فرمادیا کہ آج جو مسئلہ پوچھو گے قرآن کریم کی روشنی میں بیان کروں گا۔ ایک شاگرد نے سوال کر دیا کہ استاذ محترم! حالتِ احرام میں بھڑ مارنا جائز ہے یا نہیں؟ حالتِ احرام میں کسی جانور کو مارنا درست نہیں، البتہ موذی جانور کو مارنے کی اجازت ہے۔ امام شافعیؒ نے جواب دیا کہ ہاں، حالتِ احرام میں بھڑ مارنا جائز ہے۔ اس نے سوال کیا کہ یہ قرآن کریم میں کہاں ہے؟ حضرت امام شافعیؒ نے سورہ الحشر کی مذکورہ آیت پڑھی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میرا رسول جس کام

کے کرنے کا حکم دے وہ کرو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ، جبکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین" کہ میرے بعد میرے خلفائے راشدینؓ کی اتباع بھی تم پر لازم ہے۔ اور حالتِ احرام میں بھڑ کو مارنے کا یہ سوال خلیفۂ راشد حضرت عمر بن الخطابؓ سے کیا گیا تھا اور انہوں نے فرمایا تھا کہ جائز ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کا یہ فرمان "ما آتکم الرسول فخذوه" کے تحت داخل ہے اور سنتِ نبویؐ کا حصہ ہے اور ارشادِ نبویؐ قرآنی تعلیمات کا حصہ ہے۔ اس لیے یہ مسئلہ بھی قرآن کریم کے احکام میں موجود ہے۔

ترجمۃ الباب: امام بخاریؒ کا فقہی موقف

تیسری بات یہ عرض کروں گا کہ آپ نے بخاری شریف "انما الاعمال بالنیات" سے لے کر "ونضع الموازین القسط" تک پڑھی ہے۔ اس میں امام بخاریؒ کا طریقہ یہ ہے کہ حدیث بیان کر کے مسئلہ مستنبط نہیں کرتے، بلکہ مسئلہ بیان کر کے دلیل میں حدیث لاتے ہیں۔ یہ طرز استدلال فقہاء کا ہے۔ محدثین کا طریقہ کار یہ ہے کہ حدیث بیان کر کے مسئلہ نکالتے ہیں، اور فقہاء کا طریقہ یہ ہے کہ مسئلہ بیان کر کے دلیل میں حدیث لاتے ہیں۔ اور امام بخاری نے صحیح البخاری میں فقہاء کا طرز اپنایا ہے کہ ترجمۃ الباب میں اپنا موقف قائم کرتے ہیں اور اس پر حدیث سے دلیل لاتے ہیں۔ "فقه البخاری فی تراجمه" امام بخاری کا ترجمۃ الباب عنوان نہیں بلکہ ان کا فقہی موقف ہوتا ہے کہ اس مسئلے پر میرا یہ موقف ہے۔ اس پر پہلی دلیل قرآن مجید سے لاتے ہیں، دوسری دلیل حدیث مبارکہ سے اور تیسری دلیل آثارِ صحابہؓ اور آثار تابعینؒ سے لاتے ہیں۔ پہلی دلیل قرآن مجید ہے، اگر قرآن مجید کی کوئی آیت دلیل نہیں ہے تو دلیل حدیثِ نبویؐ ہے۔ اور ان دونوں کی وضاحت کے لیے آثار صحابہؓ اور آثار تابعینؒ لاتے ہیں۔ پہلی روایت سے لے کر آخری روایت تک امام بخاریؒ کی یہی ترتیب ہے۔ یہ اہل السنت والجماعت کا دائرہ استدلال ہے کہ قرآن مجید پہلی دلیل، حدیث مبارکہ دوسری دلیل اور آثارِ صحابہ اور آثارِ تابعین تیسری دلیل ہے۔ یہ تینوں ہماری دلیلیں ہیں۔ یہ ہمارا دائرہ استدلال ہے۔

بخاری شریف اور ایمانیات

آج کے دور میں اسے ذہن میں تازہ رکھنا ضروری ہے کیونکہ آج آپ کو اسی قسم کے مسائل پیش

آئیں گے کہ دلیل کہاں سے لائے۔ دلیل قرآن مجید سے، حدیث مبارکہ سے یا آثارِ صحابہ و تابعین سے لائیں گے۔

آپ نے بخاری شریف میں سب سے پہلے کتاب الایمان پڑھی ہے اور سب سے آخری کتاب "کتاب الرد علی الجهمية وغيرهم التوحيد" پڑھی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمانیات بھی ضروری ہیں اور غلط ایمانیات سے براءت بھی ضروری ہے۔ پہلا باب پازیٹو اور آخری باب نیگیٹو ہے۔ امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں ایمانیات بیان کیں اور کتاب الرد علی الجہمیۃ وغیر ہم التوحید میں غلط عقائد اور عقائد کی غلط تعبیرات کا رد کیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ صرف مثبت ایمان کافی نہیں ہے، بلکہ جس طرح صحیح کو صحیح کہنا ایمان کا حصہ ہے، اسی طرح غلط کو غلط کہنا بھی ایمان کا حصہ ہے۔

مغربی قوتوں کا عالمِ اسلام سے تقاضہ

یہ بات آج کے دور کے حوالے سے اس لیے ضروری ہے کہ آج کے عالمی فلسفے کا ہم سے یہ مطالبہ ہے کہ پازیٹو بات کیا کرو، نیگیٹو نہ کیا کرو۔ اپنی بات کرو، دوسروں کی نفی کیوں کرتے ہو؟ یہ صرف اخباری بات نہیں ہے۔ آپ کو یاد ہوگا کہ امریکی صدر بل کلنٹن اپنی صدارت کے دور میں جدہ تشریف لائے تھے اور علماء سے خطاب کیا تھا۔ انہوں نے دوٹوک کہا تھا کہ جب تک آپ عقیدے کی تلقین اور دوسروں کی نفی نہیں چھوڑتے ہماری آپ کے ساتھ پوری دنیا میں مفاہمت نہیں ہو سکتی۔ آپ اپنے آپ کو صحیح کہیں، مگر دوسروں کو غلط نہ کہیں۔

جناب نبی اکرمؐ سے کفارِ مکہ کا تقاضہ

میں نے اس پر اس زمانے میں لکھا تھا کہ یہی مطالبہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہوا تھا۔ مکہ کے ستر سرداروں کا وفد جناب ابو طالب کے پاس آیا تھا کہ بھتیجے سے بات کراؤ۔ مذاکرات ہوئے تھے، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوجہل کی براہ راست ملاقات ہوئی تھی۔ کفارِ مکہ نے دو پیش کشیں کی تھیں۔

۱. انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر پابندیاں ختم کرتے ہیں، آپ حرم میں آکر نماز پڑھیں، قرآن مجید کی تلاوت کریں، آپ اللہ کی جتنی تعریف کریں، صفات بیان کریں، ہم آپ کے ساتھ ہیں،

لیکن صرف یہ مہربانی کریں کہ ہمارے بتوں کو کچھ نہ کہیں، ہمارے خداؤں کی نفی نہ کریں۔

۲. دوسری پیشکش یہ کی کہ ہم آپ کے ساتھ حرم میں نماز میں شریک ہوں گے، عبادت میں شریک ہوں گے، لیکن کبھی کبھی آپ بھی ہمارے بتوں کی پوجا میں شریک ہو جایا کریں۔ اس پیشکش کے جواب میں سورۃ الکافرون نازل ہوئی: "قل یا ایھا الکافرون۔ لا اعبد ما تعبدون۔ ولا انتم عابدون ما اعبد۔ ولا انا عابد ما عبدتم"۔ یہ پوری سورت اس کی تردید میں آئی ہے۔

میں نے کالم میں لکھا کہ یہ سوال پرانا ہے۔ یہ سوال ابوجہل نے بھی کیا تھا جو آج کیا جا رہا ہے۔ یہ بات میں نے اس لیے عرض کی ہے کہ ابھی مولانا معاویہ اعظم ذکر فرما رہے تھے کہ آج کی نئی نسل کے ذہنوں میں الحاد، زندقہ پرورش پا رہا ہے تو اس کا رد بھی ایمان کا تقاضا ہے۔

نئی نسل کی گمراہی اور ہماری ذمہ داری

اس پر ایک بات ذہن میں آگئی ہے عرض کر دیتا ہوں کہ نئی نسل گمراہ ہو رہی ہے تو دیکھنا چاہیے کہ اسے کون گمراہ کر رہا ہے۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ اگر آپ برتن خالی رکھیں اور اسے چوک میں رکھ دیں تو کیا آپ کسی کو روک سکیں گے کہ وہ جو مرضی ہو اس میں ڈال دے؟ اگر آپ نے برتن خود پر کیا ہو گا تو کوئی اس میں کچھ نہیں ڈال سکے گا، لیکن آپ نے اس میں کچھ نہیں ڈالا تو کسی کو کیسے روک سکیں گے؟ نئی نسل کے ذہن میں ہم نے کچھ نہیں ڈالا۔ میں سوسائٹی کی صورتحال عرض کر رہا ہوں کہ اس کے پیدا ہوتے وقت جو کلمہ اس کے کان میں پڑا تھا ہم نے اسے وہ نہیں یاد کرایا تو اگر آج کا بچہ گمراہ ہوا ہے تو بے خبری کی وجہ سے گمراہ ہوا ہے۔ ایک طرف سے بالکل خالی الذہن کہ ضروریات دین کی تعلیم بھی نہیں دی گئی اور دوسری طرف موبائل کی شکل میں گمراہی کا جنگل اسے تھما دیا گیا تو اسے گمراہ ہونے سے کونسی طاقت بچا سکتی ہے؟ لیکن اس گمراہی میں اس بیچارے کا قصور کیا ہے؟ میں اس حوالہ سے نئی نسل کا وکیل ہوں کہ اس کا قصور نہیں ہے، یہ ہمارا قصور ہے، نئی نسل گمراہ ہو رہی ہے تو ہماری حرکتوں کی وجہ سے گمراہ ہو رہی ہے۔ اس لیے میں عرض کروں گا کہ نئی نسل کو سنبھالیے، اسے ڈانٹنے اور دھتکارنے سے پرہیز کرتے ہوئے محبت اور پیار کے ساتھ اس کے برتن کو صاف کر کے اس میں صحیح چیز ڈالیے تو ٹھیک ہو جائے گا۔

میں نے عرض کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے ہمیں دائرہ استدلال بھی بتایا ہے، اور بتایا ہے کہ ایمانیات کے تقاضے کیا ہیں؟ آج کا دور پھر ایمانیات کی تلقین اور ایمانیات کو پکا کرنے کا دور ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو امام بخاریؒ کے اسلوب اور اہلِ سنت کے دائرہ استدلال کے مطابق اپنے فرائض صحیح طور پر سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائیں، آمین یارب العالمین۔

مختصر تذکارِ بخاری

(مختلف تحریروں سے ماخوذ حضرت امام بخاریؒ اور بخاری شریف کے مختصر تذکار)

”العرفاء للناس“

......حدیث میں ”عرفاء“ کا لفظ ہے جو ”عریف“ کی جمع ہے اور ہم نے اس کا معنیٰ نمائندہ کیا ہے۔ اس لیے کہ عربی لغت کے معروف امام اسماعیل بن حماد الجوہریؒ نے الصحاح ص ۱۴۰۲ ج ۲ میں عریف اور نقیب کو ہم معنیٰ قرار دیا ہے۔ صاحبِ فقہ اللغۃ سے بھی علامہ بدر الدین العینیؒ سے عمدۃ القاری ص ۲۲۷ ج ۱ میں یہی قول نقل کیا ہے۔ اور المنجد ص ۵۲۱ میں بھی عریف کا معنیٰ نقیب کیا گیا ہے۔ اور نقیب کی اصطلاح کو جب ہم بیعتِ عقبہ کے حوالہ سے جاننے کی کوشش کریں گے تو ہمیں اس میں نمائندگی کا پہلو واضح اور نمایاں نظر آئے گا، کیونکہ بیعتِ عقبہ کے دونوں مواقع پر جب مدینہ منورہ (یثرب) کے دو اہم قبیلوں اوس اور خزرج کے نمائندوں نے اپنے قبائل کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تو نہ صرف آپؐ نے ان کی بیعت کو قبول کیا بلکہ خود اپنے وجود مبارک کو ان نمائندوں کی نمائندگی پر اعتماد کرتے ہوئے اہلِ یثرب کے سپرد کر دینے کے فیصلے کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ یہی بیعت بعد میں ہجرت کی بنیاد بنی۔ بیعتِ عقبہ میں اوس اور خزرج کی نمائندگی کرنے والوں کو حدیث میں ”نقباء“ کے نام سے یاد کیا گیا ہے (مجمع الزوائد ص ۴۸ ج ۶)۔ ”عریف“ کے ضمن میں یہ بات خصوصاً قابلِ توجہ ہے کہ امام بخاریؒ نے غزوۂ حنین کی یہ روایت دیگر مقامات پر ذکر کرنے کے علاوہ کتاب الامارۃ میں ”العرفاء للناس“ کے عنوان سے مستقل باب قائم کر کے اس کے تحت یہ حدیث بطور خاص ذکر کی ہے جس سے امام بخاریؒ کے ذہنی رجحان کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔......

(ہفت روزہ ترجمان اسلام، لاہور - ۲۱ دسمبر ۱۹۷۹ء)

حضرت مولانا عبدالعزیز سہالویؒ اور بخاری شریف

......مولانا مرحوم نے تصنیف و تالیف کے محاذ پر بھی کام کیا جو بظاہر مختصر ہے مگر در حقیقت بہت زیادہ وقیع ہے۔ صحیح بخاری پر انہوں نے ''النبراس الساری علیٰ اطراف البخاری'' کے نام سے کتاب لکھی جو اپنے موضوع پر واحد کتاب سمجھی جاتی ہے۔ حدیث کی مشہور کتاب طحاوی شریف پر مولانا مرحوم کا قلمی حاشیہ بھی معرکے کی چیز ہے اور اب مولانا مفتی عبدالواحد کی مساعی سے زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ حدیث ہی کی ایک اور کتاب ''نصب الرایہ علیٰ احادیث البدایہ'' کا جو متداول نسخہ حیدر آباد دکن سے طبع ہو کر اس وقت اہلِ علم کے کتب خانوں کی زینت ہے اس پر حواشی مولانا عبد العزیزؒ مرحوم ہی کے تحریر فرمودہ ہیں اور اس کی تصحیح بھی انہوں نے کی ہے۔ علاوہ ازیں مولانا عبدالعزیزؒ نے گوجرانوالہ سے ہفت روزہ العدل کے نام سے ایک علمی جریدہ کی اشاعت کا آغاز بھی کیا جو سالہا سال تک شائع ہوتا رہا اور اس میں مذہب اہلِ سنت والجماعت اور مسلک حنفی کی ترجمانی اور دفاع کے محاذ پر نمایاں کام ہوا۔

مولانا عبدالعزیزؒ جمعیت علماء ہند سے وابستہ اور اس کی مرکزی ورکنگ کمیٹی کے رکن تھے، جمعیت نے جو وفد حجاز میں سعودی حکمرانوں کے پاس اسلامیانِ ہند کے جذبات سے انہیں آگاہ کرنے کے لیے بھیجا تھا اس میں مولانا عبدالعزیزؒ کا نام بھی شامل تھا۔ مولانا عبدالعزیزؒ ان علماء میں سے تھے جو صدیوں کے بعد جنم لیتے ہیں، وہ فی الواقع اس شہر کی دینی، علمی اور فکری آبرو تھے۔ انہوں نے ایک عہد کو سنوارا، نکھارا اور سوزِ دل سے فکر و نظر کے چراغ جلائے۔ اور ان کی یاد آج بھی زبانوں کی حلاوت، نگاہوں کی جلا اور تذکروں کا سرمایہ ہے

سالہا زمزمہ پرواز جہاں خواہد بود
زیں نواہا کہ دریں گنبد گرداں زدہ است

جہاں تک مولانا کی علمی وجاہت اور ثقاہت کا تعلق ہے ان کا اعتراف ایک دنیا کو تھا۔ مولانا سید سلیمان ندویؒ ''معارف'' مئی ۱۹۴۸ء کے شمارے میں مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کی وفات حسرت آیات کا ماتم کرتے ہوئے ایک تاریخی یاد کو یوں تازہ کر رہے ہیں:

''مرحوم (مولانا ثناء اللہ امرتسری) کو ایک دفعہ مجھ سے شکایت بھی پیدا ہوئی، اس

کی صورت یہ ہوئی کہ دس پندرہ برس ہوئے مرحوم اور ان کے حنفی حریف مولانا عبد العزیز صاحب خطیب گوجرانوالہ مصنف اطراف بخاری کے درمیان حدیث "واذا قرء الامام فانصتوا" کے صحیح مسلم میں موجود ہونے یا نہ ہونے پر اخبارات میں تحریری مناظرہ ہو رہا تھا۔ فریقین نے اس باب میں مجھے حکم مانا، میں نے مولانا مرحوم سے کچھ پوچھے بغیر صرف دونوں کی تحریروں کو دیکھ کر فیصلہ مرحوم کے خلاف اور مولانا عبد العزیز صاحب کے موافق کیا"۔

اور معارف دسمبر ۱۹۴۰ء کے شمارے میں ان کی وفات پر مولانا سلیمان ندویؒ نے انہیں یوں خراج تحسین پیش کیا تھا:

"دو ماہ ہوئے کہ مولانا عبد العزیز صاحب خطیب و امام جامع مسجد گوجرانوالہ نے، جو دیوبند کے عالم اور وقت کے بڑے محدث تھے، وفات پائی۔ انہوں نے صحاح و مسانید کی مختلف کتابوں کی فہرستیں بطور اطراف بڑی محنت سے لکھی تھیں جن میں صرف بخاری کی فہرست "النبراس الساری فی اطراف البخاری" کے نام سے چھپی ہے۔ مرحوم نے مجھے لکھا تھا کہ مسند ابن حنبل کی بھی ایک فہرست بنائی ہے اور وہ اس کے چھپوانے کی فکر میں تھے۔ کیا اچھا ہو اگر ان کی یادگار میں ان کی یہ کتاب گوجرانوالہ کے قدردان چھپوا سکیں یا وہ اس نسخہ کو کسی قدرشناس کے سپرد کریں کہ اس کو چھپوا کر اس فیض کو عام کرے"۔

مولانا عبد العزیزؒ ۱۹۳۶ء میں بیمار ہو گئے اور خطابت و اہتمام کے فرائض کی ادائیگی سے معذوری کے بعد اپنے گاؤں چلے گئے جہاں ۱۹۴۰ء میں ان کا انتقال ہو گیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مولانا عبد العزیزؒ کے بعد ان کے بھتیجے اور داماد مولانا مفتی عبد الواحدؒ فاضل ڈابھیل نے جامع مسجد کی خطابت اور مدرسہ انوار العلوم کے اہتمام کے فرائض سنبھال لیے جو اَب تک سرانجام دے رہے ہیں۔ البتہ جامع مسجد کی خطابت میں ۱۹۶۹ء سے راقم الحروف نے ان کے نائب کی حیثیت سے ذمہ داریاں سنبھالیں اور مولانا عبد الواحدؒ پر فالج کے حملے کے بعد سے مستقل خطیب کے طور پر فرائض سرانجام دے رہا ہوں۔

(مجلہ مہک، گوجرانوالہ - ۱۸ اگست ۱۹۸۲ء)

دینی مدارس اور اسلام کے اجتماعی پہلو

...... حضرات گرامی قدر! اگر علماء کرام مجھے اس گستاخی پر معاف فرمائیں تو یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ ہماری دینی درسگاہوں میں بھی اسلام کے اجتماعی پہلوؤں پر بات نہیں ہوتی۔ دینی تعلیم کے حوالہ سے ہماری گفتگو اعتقادات، عبادات، اخلاقیات یا زیادہ سے زیادہ خاندانی معاشرت کے مسائل تک محدود رہتی ہے۔ ہم بخاری شریف پڑھاتے ہیں تو ہمارا سارا زور کتاب الطہارۃ اور کتاب الصلوٰۃ کے مباحث میں صَرف ہوتا ہے۔ بخاری میں کتاب البیوع بھی ہے، کتاب الجہاد بھی ہے، کتاب الامارۃ بھی ہے، کتاب المزارعۃ بھی ہے، اور زندگی کے اجتماعی شعبوں سے تعلق رکھنے والے دوسرے ابواب بھی ہیں، لیکن ہم ان ابواب سے یوں گزرتے ہیں جیسے یہ سب منسوخ ہو گئے ہیں۔ ہم آج کے نظاموں سے ان ابواب کا تقابل نہیں کرتے اور اپنے تلامذہ کو یہ نہیں بتاتے کہ آج کی تجارت میں اور اسلامی تجارت میں کیا فرق ہے؟ اور آج کے جنگی اصولوں اور جہاد میں کیا فرق ہے؟

مجھے اس دکھ کا اظہار کرنے کی اجازت دیجیے کہ ہم بخاری اور ترمذی پڑھاتے ہوئے ایک ایک مسئلہ پر چھ چھ دن بحث کرتے ہیں اور دلائل کا انبار لگاتے ہیں، آخر میں نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ یہی کہ یہ اولیٰ ہے اور وہ غیر اولیٰ ہے، جبکہ سیکولر دانشور ہمیں سود کا متبادل پیش کرنے کا چیلنج کر رہے ہیں، اسلامی قوانین کو وحشیانہ اور ظالمانہ قرار دے رہے ہیں، اور انسانی حقوق کے حوالے سے اسلامی نظام کا راستہ روکنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جبکہ ہمیں سرے سے ان مسائل کا ادراک ہی نہیں ہے، ان کی کوئی اہمیت ہمارے نزدیک نہیں ہے اور ہم ان مباحث کو علمی مباحث کا موضوع بنانے کو وقت کا ضیاع سمجھتے ہیں۔......

(۱۲ اگست ۱۹۹۲ء کو ہڈرز فیلڈ، انگلینڈ میں جمعیت علماء برطانیہ
کی ساتویں سالانہ کانفرنس سے خطاب۔)

حضرت امام بخاریؒ کے مزار پر

...... ثمرقند تاریخی روایات کے مطابق ۵۶ھ میں حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ حکومت میں فتح ہو کر اسلامی سلطنت میں شامل ہو گیا تھا اور اسے جناب نبی اکرمؐ کے چچازاد بھائی حضرت قثم بن عباسؓ اور

حضرت عثمانؓ کے فرزند حضرت سعید بن عثمانؓ کی آخری آرام گاہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔ سمرقند میں حضرت امام ابو منصور ماتریدیؒ، امام ابو اللیث سمرقندیؒ اور نقشبندی سلسلہ کے عظیم پیشوا خواجہ عبیداللہ احرارؒ کے مزارات ہیں، جبکہ حضرت امام بخاریؒ کا مزار سمرقند سے بیس کلو میٹر کے فاصلے پر ہے جہاں ان کے نام پر ایک دینی درسگاہ بھی ہے۔ ان سب مزارات پر حاضری دی اور حسبِ توفیق قرآن خوانی کی سعادت حاصل ہوئی۔ صاحبِ ہدایہ امام برہان الدین مرغینانیؒ کے مزار پر حاضری کی خواہش بھی تھی مگر یہ معلوم کر کے بے حد دکھ ہوا کہ یہ مزار جس مکان میں تھا وہ کسی یہودی نے خرید اہے اور مزار کا نشان غالباً ختم ہو گیا ہے۔ امام بخاریؒ کے مزار پر محدثین کی پرانی روایت کے مطابق مولانا مفتی نظام الدین شامزئی نے بخاری شریف کی پہلی اور آخری حدیث پڑھی اور باقی حضرات نے سماع کا شرف حاصل کیا۔......

......میں معمول کے مطابق موسم گرما میں لندن جا رہا تھا اور میں نے ازبک ایئر لائن کے ذریعے سفر کا ارادہ کیا، خیال تھا کہ راستے میں چند روز تاشقند میں رہنے کا موقع مل جائے گا۔ وہاں کے حالات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ سے رابطہ کیا تو انہوں نے کہا کہ علماء کا ایک وفد ازبکستان جا رہا ہے، آپ بھی اس کے ساتھ ہی پروگرام بنالیں۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ وفد میں حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر، مولانا فداء الرحمٰن درخواستی اور مولانا مفتی نظام الدینؒ شامزئی بھی شامل تھے، جبکہ مفتی جمیل خان شہیدؒ وفد کے منتظم تھے۔ اس سفر میں تاشقند کے علاوہ سمرقند اور خرتنگ بھی جانا ہوا۔ خرتنگ میں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کی قبر ہے۔ وہاں حاضری ہوئی اور فاتحہ خوانی اور دعا کے علاوہ ایک بات اور ہوئی کہ حضرت مولانا مفتی نظام الدینؒ شامزئی بخاری شریف ساتھ لے گئے تھے، انہوں نے حضرت امام بخاریؒ کی قبر کے ساتھ بیٹھ کر امام بخاریؒ تک اپنی سند کے ساتھ ایک روایت بلند آواز سے پڑھی اور بتایا کہ پرانے بزرگوں کا یہ معمول رہا ہے کہ جب امام بخاریؒ کی قبر پر حاضری ہوتی تو ان تک اپنی سند کے ساتھ بخاری شریف کی ایک روایت پڑھتے۔ مفتی نظام الدین شامزئی شہیدؒ نے بھی اس موقع پر یہ روایت پوری کی اور ہم سب ان کے ساتھ شریک تھے۔......

(ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ۔ اگست ۱۹۹۳ء/روزنامہ پاکستان، لاہور۔ ۴ جون ۲۰۰۴ء)

امام ابوحنیفہؒ اور امام بخاریؒ

......کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ ایک دوست میرے پاس تشریف لائے اور فرمانے لگے کہ امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت امام بخاریؒ کی طرح احادیثِ نبویؐ کے جمع کرنے اور ان کی صحت کے اصول قائم کرنے پر کوئی کام کیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں، اور انہیں اس کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ میرا یہ جواب ان کے لیے حیرت کا باعث بنا اور انہوں نے قدرے غصے سے فرمایا کہ کیا امام ابوحنیفہؒ کو احادیث کی ضرورت نہیں تھی؟ میں نے جواب دیا کہ احادیث کی ضرورت تھی لیکن ان پر امام بخاریؒ کی طرز کے کام کی انہیں کوئی ضرورت نہیں تھی۔

پھر میں نے اس کی وضاحت کی کہ امام ابوحنیفہؒ ۸۰ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ یہ صحابہ کرامؓ کا آخری دور تھا اور کوفہ صحابہ کرامؓ کا مرکز تھا۔ اس لیے امام صاحبؒ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ انہوں نے صغار صحابہؓ اور کبار تابعینؒ کو دیکھا اور ان سے استفادہ کیا ہے۔ ان کی وفات ۱۵۶ھ میں ہوئی اور ان کے دور میں جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث وسنن کی روایت میں اتنے واسطے نہیں ہوتے تھے کہ ان کی چھان بین کی زیادہ ضرورت پڑتی۔ اس لیے انہوں نے ایک دو قابلِ اعتماد واسطوں سے جو روایات ملیں انہی کی بنیاد پر اپنی فقہ کی عمارت کھڑی کر دی۔

جبکہ امام بخاریؒ کی ولادت ۱۹۴ھ اور وفات ۲۵۶ھ میں ہوئی۔ اس وقت احادیث کی روایت میں چار پانچ واسطے آچکے تھے اور ان کی صحت وضعف کے لیے سخت اصول قائم کرنے کی ضرورت پیش آگئی تھی۔ اس لیے امام بخاریؒ نے اس ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے اصول قائم کیے اور ان کی بنیاد پر صحیح احادیث کا ایک منتخب ذخیرہ امت کے سامنے پیش کر دیا۔ اس لیے امام بخاریؒ کے وضع کردہ اصول کی اہمیت اپنی جگہ پوری طرح مسلّم ہے لیکن ان اصولوں کا پون صدی پہلے پر موثر بہ ماضی اطلاق کر کے امام ابوحنیفہؒ کو ان کا پابند بنانا نہ شریعت کا تقاضا ہے اور نہ عقل ودانش اس کی متحمل ہے۔......

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد – ۱۵ مارچ ۲۰۰۱ء)

کتاب التعبیر

......جناب نبی اکرمؐ صحابہ کرامؓ کو اپنے خواب بتایا کرتے تھے اور ان کے خواب سن کر تعبیر سے آگاہ کیا کرتے تھے۔ امام بخاریؒ نے بخاری شریف میں کتاب التعبیر کے نام سے مستقل باب قائم کیا ہے

جس میں ساٹھ سے زیادہ روایات اس حوالہ سے نقل کی ہیں۔ لیکن پیغمبر کے خواب یا پیغمبر کے سامنے پیش کیے جانے والے خواب کے سوا اور کوئی خواب اس معنٰی میں شرعی حجت اور دلیل نہیں ہے کہ اس پر کسی فیصلے یا حکم کی بنیاد رکھی جائے، خواہ وہ کسی بھی شخصیت کا خواب ہو۔ البتہ خوشخبری اور کسی معاملہ کی پیشگی اطلاع کے طور پر خواب کی اہمیت وافادیت آج بھی موجود ہے۔......

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد - ۱۱ اپریل ۲۰۰۱ء)

کتاب الادب

گزشتہ دنوں بخاری شریف کے درس میں ایک دلچسپ واقعہ نظر سے گزرا جو امام بخاریؒ نے بخاری شریف کی کتاب الادب میں بیان کیا ہے اور جس میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا فطری اور خوبصورت توازن بیان کیا گیا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعہ قارئین کے سامنے بھی ذکر کر دیا جائے۔......

(روزنامہ اوصاف، اسلام آباد - ۲۰ ستمبر ۲۰۰۱ء)

شیخ الناخبیؒ اور شیخ الفادانیؒ سے روایتِ حدیث کی اجازت

......حکومت کی سخت گیر پالیسی اور اقدامات کو دیکھتے ہوئے شیخ ناخبیؒ نے ہجرت کا فیصلہ کر لیا اور ۱۳۹۴ھ میں حضر موت کا علاقہ چھوڑ کر جدہ میں آ گئے۔ جدہ میں ایک محلہ کی مسجد کی امامت ان کے سپرد کی گئی جہاں وہ عمر کے آخری حصے تک دینی و تعلیمی خدمات میں مصروف رہے۔ وہ اس مسجد میں روزانہ عصر کی نماز کے بعد صحاح ستہ میں سے حدیث کی کسی کتاب کا ترتیب سے درس دیتے تھے، ایک کتاب مکمل ہو جاتی تو دوسری شروع کر دیتے اور یہ سلسلہ ان کی وفات سے چند ماہ قبل تک جاری رہا۔ اس دوران بڑے بڑے علماء اور محدثین نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر شرفِ تلمذ حاصل کیا، جن میں حضرت الاستاذ عبد الفتاح ابو غدۃؒ اور الاستاذ محمد عوامہ حلبیؒ بھی شامل ہیں۔

شیخ ناخبیؒ روایتِ حدیث کی اجازت کے ساتھ اپنی مختصر ثبت مرحمت فرماتے تھے جو انہوں نے مجھے بھی عطا کی۔ میں نے اس ثبت میں بخاری شریف کی ایک عالی سند میں ان کے اور امام بخاریؒ کے درمیان سولہ واسطے شمار کیے ہیں جو بڑی سعادت کی بات ہے۔ مجھے بحمد اللہ مکۃ المکرمۃ میں ایک معمر بزرگ اور اپنے دور کے ایک بڑے محدث الشیخ المسند ابو الفیض محمد یاسین الفادانی الشافعیؒ کی خدمت میں حاضری اور مختلف مسلسلات کی سماعت کے ساتھ روایتِ حدیث کی اجازت بھی حاصل ہے، ان

کی ایک سند میں ان کے اور حضرت امام بخاریؒ کے درمیان پندرہ واسطے ہیں۔

بہر حال الشیخ الناخبیؒ ہمارے دور کے بڑے محدثین میں سے تھے اور انہیں اکابر محدثین اور شیوخ سے تلمذ کی نسبت حاصل تھی۔ ایسے بزرگوں کا وجود اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا باعث ہوتا ہے مگر اب وہ خود اللہ کی رحمت کے سائے میں جا چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات جنت الفردوس میں بلند سے بلند فرمائیں اور ہمیں ان کے فیوض و برکات سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

گزشتہ روز جدہ سے ہمارے محترم دوست قاری محمد رفیق صاحب نے فون پر یہ اطلاع دی کہ ہمارے شیخ محترم الاستاذ المحدث عبداللہ بن احمد الناخبیؒ کا انتقال ہو گیا ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شیخ محترم کا تعلق یمن سے تھا اور علمِ حدیث کی تدریس و تعلیم زندگی بھر ان کا مشغلہ رہا، ان کا شمار ہمارے اکابر اور معمر محدثین میں ہوتا ہے، انہوں نے سو سال سے زیادہ عمر پائی ہے، ایک عرصہ سے جدہ میں مقیم تھے اور مختلف ممالک سے آنے والے علماء کرام اور حدیث نبویؐ کے اساتذہ وطلبہ ان کی خدمت میں حاضر ہو کر تلمذ اور اجازت کا شرف حاصل کرتے تھے۔ راقم الحروف کو بھی تین سال قبل ان کی خدمت میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، انہوں نے بڑی شفقت سے نوازا، حدیث مسلسل بالأولیۃ سنائی، اپنی اسناد کے ساتھ روایت حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی اور اس مجلس میں کم و بیش پندرہ بیس منٹ کی نصیحت آمیز گفتگو فرمائی جس میں میرے لیے خصوصی دلچسپی کا باعث مغرب کی ثقافت و فکر پر ان کا مختصر علمی تبصرہ تھا، جس سے راہنمائی حاصل ہونے کے ساتھ ساتھ مجھے یہ حوصلہ بھی ملا کہ جناب نبی اکرمؐ کے ارشادات وفرمودات کی موجودہ دور کے تقاضوں کی روشنی میں وضاحت کے حوالہ سے میں اپنے ذوق میں منفرد نہیں ہوں۔

میرے علم حدیث کے باقاعدہ اور تعلیمی اساتذہ والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دامت برکاتہم، عم مکرم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دامت برکاتہم، حضرت مولانا عبدالقیوم ہزاروی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا جمال احمد بنویؒ ہیں۔ جبکہ مجھے جن شیوخ کی خدمت میں

بالمشافہ حاضری اور ان سے روایت حدیث کی اجازت کا شرف حاصل ہے ان میں الاستاذ عبدالفتاح ابوغدۃؒ، الاستاذ محمد یسین الفاوانی المکی الشافعیؒ، الاستاذ عبداللہ بن احمد الناخبیؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت مولانا محمد نافع جھنگوی دامت برکاتہم شامل ہیں۔ شیخ محترم الاستاذ الناخبیؒ کی سادہ اور پروقار مجلس کا منظر اس وقت بھی میری نگاہوں کے سامنے ہے اور میں اس سے محظوظ و مستفید ہو رہا ہوں، اللہ تعالیٰ ان کی حسنات قبول فرمائیں، سیئات سے درگزر کریں اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

(ماہنامہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ۔ جولائی ۲۰۰۷ء —روزنامہ اسلام، لاہور-۹ ستمبر ۲۰۰۷ء)

امام بخاریؒ کا فقہی اُسلوب

...... اس واقعہ کا ایک حصہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کچھ لوگوں نے شکایت کی کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ لوگوں کے لیے پریشانی کا باعث بن رہی ہیں اس لیے وہ باپ کی حیثیت سے انہیں سمجھائیں۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب حضرت عائشہ کو سمجھانے کے لیے ان کے کجاوے تک گئے تو کجاوے کے اندر جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہؓ کی گود میں سر رکھے آرام فرما رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے اسی حالت میں حضرت عائشہؓ کو ڈانٹ ڈپٹ کی اور کچھ مکے بھی رسید کیے مگر حضرت عائشہؓ صرف اس لیے حرکت نہیں کر رہی تھیں کہ اس سے آنحضرتؐ کی نیند میں خلل آئے گا۔ اس تفصیلی واقعہ کا صرف اتنا حصہ امام بخاریؒ نے کتاب النکاح کی آخری حدیث کے طور پر ذکر کیا ہے، جس کا بظاہر نکاح سے کوئی تعلق نہیں ہے، مگر امام بخاریؒ اس کے ذریعے یہ بتانا چاہ رہے ہیں کہ لڑکی کا نکاح ہو جانے اور اس کے اپنے گھر بار والی ہو جانے کے بعد بھی والدین سے اس کا تعلق ختم نہیں ہو جاتا، بلکہ اس کے بعد بھی ماں باپ اسے ڈانٹ ڈپٹ سکتے ہیں اور اس کے معاملات میں مداخلت کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کے ایک معاملہ میں لوگوں کو شکایت پیدا ہوئی تو وہ شکایت ان کے والد محترم کے سامنے رکھی گئی اور حضرت ابوبکرؓ نے اس پر حضرت عائشہؓ کو ڈانٹ ڈپٹ کی اور مکے بھی مارے حالانکہ وہ ام المؤمنین تھیں اور اپنے گھر بار والی تھیں...... اس پس منظر میں امام بخاریؒ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف سے حضرت عائشہؓ کو ڈانٹ ڈپٹ کے معاملہ کو کتاب النکاح کا حصہ بنایا ہے اور اس پر عنوان یہ قائم کیا ہے کہ "طعن الرجل ابنته فی الخاصرة عند العتاب" اگر باپ کسی

وجہ سے بیٹی پر ناراض ہو تو ناراضگی کا اظہار کرتے وقت وہ اسے پہلو میں مکے بھی مار سکتا ہے۔ اب اس بات کے ثبوت کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عائشہؓ سے بڑی دلیل اور کیا ہو سکتی ہے؟ یہ روایت امام بخاریؒ نے متعدّد مقامات پر الگ الگ عنوانات کے ساتھ ذکر کی ہے اور اس سے مختلف مسائل مستنبط کیے ہیں۔ مثلاً اسے حضرت صدیق اکبرؓ کے خاندان کی فضیلت میں بیان کیا ہے، کتاب التفسیر میں آیتِ تیمم کے شانِ نزول کے طور پر ذکر کیا ہے، اور حدود و تعزیرات کے ساتھ ''تادیب'' کے درجہ کے ثبوت میں بھی یہ روایت پیش کی ہے۔

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۳۰ جولائی ۲۰۰۸ء)

تحفظات اور ضروریات کے دائرے اور اہلِ علم

...... فکری مرعوبیت ہمارے لیے کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کے سدباب کی راہیں تلاش کرنے کے لیے کسی نئی تگ و دو کی ضرورت ہے۔ ہم اس مسئلہ سے اس سے قبل بھی دوچار ہو چکے ہیں اور ہمارے اکابر واسلاف نے اس سے بہت خوبی کے ساتھ نمٹا ہے۔ آج ہمارے لیے ضروری ہے کہ ماضی کی اس کشمکش کے بارے میں علم حاصل کریں اور انہی بزرگوں کے نقش قدم کو اپنانے کی کوشش کریں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور امام ابوالحسن اشعریؒ

یہ صورتحال ہمیں سب سے پہلے اس وقت پیش آئی تھی جب یونانی فلسفہ و منطق نے ہماری صفوں میں گھس کر عقائد کے باب میں شکوک وشبہات کا ماحول پیدا کر دیا تھا۔ معتزلہ کا وجود اسی پس منظر میں سامنے آیا تھا اور ایک دور میں امت کے ایک حصے کی اس سے مرعوبیت کا عالم یہ تھا کہ اہلِ دین اور اہلِ علم کے لیے آزمائشوں کے دروازے کھل گئے تھے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے اسی معاملے میں کوڑے کھائے تھے اور بہت سے دیگر اہلِ علم نے اسی پر قید و بند اور کوڑوں کی صعوبتیں برداشت کی تھیں۔ مامون الرشید کے دور میں اس فتنہ کو سرکاری سرپرستی حاصل ہو گئی تھی اور علماء اہلِ سنت پر آزمائش اور مصائب کا دور شروع ہو گیا تھا۔ عقائد کے بارے میں عقلیات کے یہ مباحث یونانی فلسفہ و منطق کی آمد سے پیدا ہوئے تھے اور ہمارے اس وقت کے بزرگوں نے ان کے سدباب کے لیے دو راستے اختیار کیے تھے جو دونوں ضروری تھے:

- ایک راستہ حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے رفقاء کا تھا کہ ظاہر پر سختی سے قائم رہتے ہوئے اس کے لیے قربانیاں دیں اور مکمل عزیمت و استقامت کے ساتھ مقابلہ پر ڈٹ گئے۔
- جبکہ دوسرا راستہ امام ابوالحسن اشعریؒ کا تھا کہ یونانی فلسفہ و منطق پر عبور بلکہ تفوق حاصل کر کے یونانی فلسفہ کے پیدا کردہ اعتقادی شبہات کا فلسفہ کی زبان اور اس کی اصطلاحات میں رد کیا۔

امام احمد بن حنبلؒ کا راستہ تحفظات کا تھا اور امام ابوالحسن اشعری کا دائرہ ضروریات کا تھا۔ حنابلہ اور اشاعرہ کے درمیان کشمکش بھی موجود رہی ہے جو اَب بھی موجود ہے، لیکن دین کو دونوں کی ضرورت تھی اور دونوں نے امت کے اعتقادی نظام کی حفاظت میں اہم کردار ادا کیا۔

حضرت امام بخاریؒ

میں ایک اور حوالہ سے بھی بات کرنا چاہوں گا۔ امام احمد بن حنبلؒ نے کوڑے کھائے ہیں اور سختیاں برداشت کی ہیں اس بات پر کہ "القرآن کلام الله غیر مخلوق" قرآن اللہ کا کلام ہے مخلوق نہیں ہے۔ مگر امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کو نیشاپور سے جلاوطن ہونا پڑا اس قول پر کہ "لفظی بالقرآن مخلوق" میری زبان سے قرآن کا تلفظ مخلوق ہے۔ اس لیے کہ بعض حنابلہ امام احمد بن حنبل کے ارشاد پر اس انتہا پر چلے گئے تھے کہ "کلام نفسی" کے ساتھ ساتھ "کلام لفظی" کو بھی غیر مخلوق سمجھنے لگے تھے اور اس بات کے قائل ہو گئے تھے کہ ہم قرآن کریم کے جن الفاظ کا تلفظ کرتے ہیں وہ بھی مخلوق نہیں ہیں۔ مناظروں اور مباحثوں میں عام طور پر ایسا ہو جاتا ہے کہ دونوں فریق انتہا پر چلے جاتے ہیں جنہیں متوازن کرنے کے لیے کچھ اور شخصیات کو سامنے آنا پڑتا ہے۔ امام بخاریؒ نے "لفظی بالقرآن مخلوق" کہہ کر اسے متوازن کیا مگر اس پر اپنے حنبلی شیخ امام محمد بن یحییٰ الذہلیؒ کی طرف سے گمراہی کا فتویٰ اور نیشاپور سے جلاوطنی کا حکم سننا پڑا جس پر امام بخاریؒ نیشاپور چھوڑ کر بخارا چلے گئے۔

اس لیے میری گزارش یہ ہے جو بہت سے دوستوں کو میں سمجھا نہیں پا رہا کہ تحفظات اور ضروریات کے دونوں دائرے دین کا حصہ ہیں اور ان کی باہمی کشمکش کے باوجود ہمیں دونوں کی ضرورت ہے۔......

(روزنامہ اسلام، لاہور۔ ۴ تا ۶ جنوری ۲۰۱۲ء)

تدریسی ذوق اور بخاری شریف

......اس دوران جو باتیں میں نے محسوس کی ہیں، وہ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ والد محترمؒ کو میں نے دیکھا کہ انہوں نے بخاری شریف میرے خیال سے چالیس بار سے زیادہ مرتبہ پڑھائی ہوگی، لیکن اس کے باوجود آخری دور میں بھی ان کو دیکھا ہے کہ رات کو مطالعہ ضرور کرتے تھے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم دو چار مرتبہ پڑھا کر ایک کتاب سے مطمئن ہو جاتے ہیں کہ یار پڑھائی ہوئی ہے، کوئی مسئلہ نہیں، پڑھا لیں گے، صبح دیکھی جائے گی، کیا ہوتا ہے۔ لیکن والد محترم مطالعہ لازمی کیا کرتے تھے۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ قرآن کریم کا ترجمہ اور بخاری شریف کا حاشیہ دیکھ رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ آپ کو مطالعے کی کیا ضرورت ہے؟ کہنے لگے کہ میں اپنا تجربہ بتاتا ہوں کہ جتنی دفعہ دیکھا ہے، کوئی نیا نکتہ سامنے آیا ہے، کوئی نہ کوئی نئی بات ذہن میں آئی ہے۔ الحمد للہ میرا ذوق بھی یہی ہے کہ حتیٰ الوُسع ان روایات کو نبھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ میں عرض کر رہا تھا کہ ایک تو وہ سبق کے ناغے کو گناہ سمجھتے تھے، دوسری بات مطالعے کے بغیر سبق پڑھانے کو بھی وہ تقریباً گناہ ہی سمجھتے تھے۔ اس معاملہ میں جتنا اہتمام میں نے ان کا دیکھا ہے، حیران کن ہے۔......ایک بات اور میں نے دیکھی والد صاحب کے طریق تدریس میں۔ والد صاحب سے زیادہ فقہی مباحث کون کرتا ہوگا، اعتقادی مباحث، فقہی مباحث اور شوافع، مالکیہ، حنابلہ اور حنفیہ کی اختلافی بحثیں ان سے زیادہ کون کرتا ہوگا، لیکن ایسا وہ صرف ایک کتاب میں کرتے تھے۔ ساری بحثیں صرف ترمذی میں کرتے اور بخاری شریف اتنی سادہ پڑھاتے تھے کہ آپ اس سے زیادہ سادگی کا تصور نہیں کر سکتے۔ ترجمۃ الباب، ایک آدھ مسئلہ اور اگر کوئی متعلقہ بات ہو تو کہہ دیتے تھے، ورنہ آگے بڑھ جاتے اور کہتے تھے کہ حدیث کو حدیث کے طور پر پڑھو، بطور خاص بخاری شریف کو، مباحث کسی اور کتاب میں کر لیں۔ ان کا ایک دورانیہ طے ہوتا تھا، پورے سال کا ایک توازن ہوتا تھا، ایک ترتیب اور متعیّن مقدار کے حساب سے چلتے تھے۔

اور الحمد للہ میرا ذوق بھی کچھ تھوڑا بہت یہی ہے۔ میں تو ویسے بھی جھگڑے والا (یعنی فقہی اختلافی مسائل میں پڑنے والا) آدمی نہیں ہوں، تطبیق و توفیق کی دنیا کا آدمی ہوں، لیکن پھر بھی اختلافی بحثیں ضرورت کے مطابق کرتا ہوں۔ چونکہ بخاری شریف اور طحاوی دونوں میرے پاس ہوتی ہیں، اس لیے جب سال کے شروع میں اسباق کا آغاز ہوتا ہے تو میں طلبہ سے ایک بات کہہ دیا کرتا ہوں کہ جھگڑے

سارے طحاوی میں کریں گے اور تسلی سے کریں گے۔ بخاری میں میری جانب سے آپ کو صرف تین باتیں ملیں گی: (۱) نفسِ حدیث (۲) ترجمۃ الباب سے تعلق (۳) اور آج کا کوئی مسئلہ اس سے متعلق ہے تو وہ۔ بس اس سے زیادہ آپ کو بخاری میں کچھ نہیں ملے گا۔ یہ بات میں پہلے دن سے ہی بتا دیتا ہوں کہ میری کوشش یہ ہوگی کہ آپ نفسِ حدیث سمجھ جائیں اور حالاتِ حاضرہ پر اس کی تطبیق سمجھ لیں۔......

ایک طالب علمانہ بات میں کہنا چاہوں گا کہ بخاری شریف کا جو مکمل نام ہے یعنی "الجامع الصحیح المسند المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و سننہ وایامہ" اس نام کے پہلے لفظ یعنی "الجامع" کا ترجمہ جو ہمارے متقدمین کرتے آئے ہیں، وہ درست ہے کہ یہ تمام علوم کی جامع کتاب ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہی لکھا ہے، لیکن ایک طالب علمانہ ترجمہ میں بھی کیا کرتا ہوں۔ الجامع کا ترجمہ آج کے حوالے سے یہ ہے کہ ہمارا دعویٰ ہے کہ اسلام جامع مذہب ہے، مکمل نظامِ حیات اور دستوری زندگی ہے، زندگی کے تمام انفرادی و اجتماعی شعبوں میں رہنمائی کرتا ہے۔ میں عرض کیا کرتا ہوں کہ ان کو آنکھوں سے دیکھنا ہو تو بخاری شریف کی فہرست پڑھ لیں۔ ایک نظر ڈالنے سے اسلام کی جامعیت آپ کے سامنے آجائے گی۔ ایک دفعہ نظر ڈالیں اور دیکھیں کہ زندگی کا کون سا مسئلہ ایسا ہے جسے ٹچ نہیں کیا گیا، جس کے بارے میں حدیث یا قرآنی آیت نہ دی ہو۔ معاشرے کی عملی زندگی سے تعلق رکھنے والا کون سا مسئلہ ہے جو اس میں نہیں ہے۔ میں اس "الجامع" کا یہ ترجمہ کیا کرتا ہوں کہ اسلام کی جامعیت کا اظہار بخاری شریف میں ہے۔ طلبہ کو بخاری اس انداز سے پڑھانی چاہیے کہ طلبہ کے سامنے کم از کم اسلام کے اجتماعی نظام کا ایک تصور اور خاکہ آجائے اور انہیں معلوم ہو جائے کہ اسلام میں کیا کچھ ہے۔ معاملات اور زندگی کے متعلقہ شعبوں کے ابواب تو ہمارے سامنے سے ایسے ہی گزر جاتے ہیں، حالانکہ میری طالب علمانہ رائے کے مطابق آج کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ہم قرآن کریم اور احادیثِ نبویہؐ کو آج کے عالمی تناظر اور عالمی ماحول میں ایک سسٹم اور نظامِ زندگی کے طور پر طلبہ کو پڑھائیں تاکہ آنے والا دور جو کہ فکری لحاظ سے پریشان کن ہے، اس دور میں ہمارے طلبہ اسلام کی صحیح نمائندگی کر سکیں۔......

(ماہنامہ الشریعہ، گوجرانوالہ - نومبر ۲۰۱۲ء)

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ

......امام بخاریؒ کے مزار پر خرتنگ (ازبکستان) میں حاضری کا شرف مجھے، مولانا مفتی نظام الدین شامزئیؒ، مولانا فداء الرحمن درخواستی، مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ، مولانا سعید احمد جلال پوریؒ اور دیگر علماء کے ساتھ حاصل ہوا تھا۔ بلکہ حضرت امام بخاریؒ کی قبر پر بخاری شریف ہاتھ میں لے کر مولانا مفتی نظام الدین شامزئیؒ نے ایک حدیث کی قراءت کی تھی۔ میں بھی اس کے سماع میں شریک تھا۔ مگر امام مسلمؒ کے مزار کو دور سے ہی دیکھ سکا۔ ۱۹۸۷ء میں علماء کرام کے ایک وفد کے ہمراہ ایران کے دورہ میں شریک تھا جس میں مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ، حافظ حسین احمد اور دوسرے علماء بھی شامل تھے۔ تہران سے بذریعہ ٹرین مشہد جاتے ہوئے فجر کی نماز ہم نے نیشاپور کے ریلوے اسٹیشن پر جمی ہوئی برف پر پڑھی تھی۔ اس وقت ہمیں کچھ فاصلے پر ایک گنبد دکھائی دے رہا تھا جس کے بارے میں بتایا گیا کہ یہ امام مسلمؒ کا مزار ہے۔ ٹرین کا اسٹاپ تھوڑا تھا، اس لیے ہم وہاں تک جانے کی حسرت دل میں لیے ہی آگے روانہ ہو گئے۔

میں عرض کیا کرتا ہوں کہ امام مسلمؒ خالصتاً محدثانہ شان رکھتے تھے۔ وہ حقیقتاً ان ”اہل الحدیث“ کے سرخیل تھے جنہیں محدثین کا مستقل طبقہ شمار کیا جاتا تھا۔ وہ فقہی استنباط و استدلال کے دائروں کی طرف نہیں گئے۔ اس لیے میری طالب علمانہ رائے میں ان کے فقہی مسلک کا کھوج لگانے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ محدثین کا اپنا ایک تعارف ہے اور ان کی علمی تحقیق و جستجو کا اپنا ایک مستقل میدان ہے۔ اس لیے امام مسلمؒ کو اسی دائرے میں رکھتے ہوئے ان کے علوم و فیوض سے استفادہ کرنا چاہیے۔ بلکہ میری ایک طالب علمانہ ”اپچ“ یہ بھی ہوتی ہے کہ امام بخاریؒ کی ترتیب فقہی ہے کہ وہ کسی مسئلہ میں ایک موقف قائم کرتے ہیں اور ترجمۃ الباب میں اسے بیان کر کے اس کے موافق دلائل لاتے ہیں۔ پہلے قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں، پھر احادیث لاتے ہیں بلکہ بعض احادیث کا صرف وہ جملہ لاتے ہیں جو ان کی دلیل بن سکتا ہے۔ اور اس کے بعد آثار صحابہؓ و آثار تابعینؒ سے اپنے موقف کو مزید مضبوط کرتے ہیں۔ یہ خالصتاً فقہی ترتیب ہے۔ جبکہ امام مسلمؒ کو صرف حدیث سے غرض ہوتی ہے، وہ ایک حدیث کی سند اور متن بیان کرتے ہیں اور پھر اس متن کے زوائد مختلف اسناد کے ساتھ بیان کر کے حدیث کو مکمل کر دیتے ہیں۔ اس کے برعکس بخاری شریف کی ایک حدیث کا متن

مکمل کرنے کے لیے مختلف ابواب کی چھان بین کرنا پڑتی ہے۔

(روزنامہ اسلام، لاہور، ۱۱ اکتوبر ۲۰۱۴ء)

خاوند کے ذمے بیوی کا خرچ

......حضرت ابوسفیانؓ کی اہلیہ محترم حضرت ہندہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور عرض کیا یارسول اللہ! ابوسفیان گھر کا خرچہ پورا نہیں دیتے، میرا اور بچوں کا جو خرچہ دیتے ہیں وہ کافی نہیں ہوتا، تو کیا میں ان کے مال میں سے اپنے طور پر کچھ نکال سکتی ہوں؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں نکال سکتی ہو، لیکن شرط لگا دی ”بالمعروف“ کہ عرف کے مطابق جتنا خرچہ بنتا ہے وہ تم نکال سکتی ہو زیادہ نہیں۔ یعنی بتائے بغیر خاوند کی جیب ٹٹول سکتی ہو۔ یہ واقعہ امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے تو اس پر باب کیا قائم کیا ہے؟ امام بخاریؒ نے یہ نہیں کہا کہ اگر خاوند خرچہ نہیں دیتا تو بیوی اس کے مال میں سے لے سکتی ہے، بلکہ یہ عنوان قائم کیا کہ مظلوم کو حق حاصل ہے کہ وہ ظالم سے اپنا حق چپکے سے وصول کر لے۔ اگر کوئی ظالم حق نہیں دے رہا تو مظلوم اس کے مال میں سے اپنا حق وصول کر سکتا ہے۔ اس عنوان کے تحت یہ واقعہ ذکر کیا ہے۔ جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق گھر میں پورا خرچہ نہ دینے والے کو امام بخاریؒ ظالم کہہ رہے ہیں اور جس گھر میں بیوی بچوں کو پورا خرچہ نہیں ملتا وہ مظلوم ہیں۔ گھر کا خرچہ دینا خاوند کے ذمے ہیں اور گھر کے کام کاج بیوی کے ذمہ ہیں۔ یہ تقسیم کار ہے۔ بیوی اگر کاموں میں کوتاہی کرے گی تو حق تلفی ہے، خاوند خرچے میں کوتاہی کرے گا تو حق تلفی ہے۔

......

(ماہنامہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ - مارچ ۲۰۲۳ء)

امام دارمیؒ اور امام بخاریؒ

مسند دارمی کی روایت ہے۔ امام دارمیؒ امام بخاریؒ کے استاد ہیں اور ”مسند دارمی“ کے نام سے ان کی اپنی مسند ہے جو کہ بخاری شریف سے متقدم کتاب ہے، اس میں انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا ہے...... آپ نے بخاری شریف مکمل پڑھی ہے۔ آپ نے امام بخاریؒ کا طرزِ استدلال دیکھا ہے کہ امام بخاریؒ کی ترتیب اور اسلوب یہ ہے کہ وہ ایک مسئلہ بیان کرتے ہیں، ترجمۃ الباب قائم کرتے ہیں، اپنا موقف قائم کرتے ہیں اور پھر اس کے حق میں دلیل لاتے ہیں۔ تائید میں پہلی دلیل قرآن مجید سے لاتے

ہیں، دوسری دلیل حدیثِ مبارکہ، اور تیسری دلیل آثارِ صحابہؓ اور آثارِ تابعینؒ سے لاتے ہیں۔ یہی اہلِ سنت کا دائرۂ استدلال ہے۔ میں نے آپ کے سامنے پوری بخاری شریف کے طرزِ استدلال کا خلاصہ عرض کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے اہلِ سنت کا دائرہ استدلال یہ بیان کیا ہے۔ آپ بخاری شریف کے کسی ترجمۃ الباب میں اس اصول کے خلاف نہیں دیکھیں گے کہ وہ پہلے موقف بیان کریں گے، پھر اس پر قرآن مجید سے دلیل نقل کریں گے، اگر قرآن مجید کا کوئی جملہ دلیل نہیں بن رہا تو پھر حدیث کو بطور دلیل لائیں گے۔ امام بخاریؒ نے دلیل میں ہزاروں حدیثیں نقل کی ہیں۔ اور قرآن مجید اور حدیثِ مبارکہ کی تشریح اور تعبیر وہ صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے لیتے ہیں۔

(۱۶ جنوری ۲۰۲۴ء کو جامعہ اسلامیہ، صدر، راولپنڈی میں خطاب)